ٹائٹل طبع اوّل

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَ جَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا

قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ وَ مَنۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡکِتٰبِ۔

الحمد للّٰہ

کہ یہ رسالہ جس کا نام ہے

ضرورة الامام

صرف ڈیڑھ دن میں طیّار ہو کر

مطبع

ضیاء الاسلام قادیان میں

قیمت ۲ر محصول علاوہ جلد ۷۰۰ ۔

باہتمام حکیم فضل الدین صاحب بھیروی مالک و مہتمم مطبع چھپا

ضرورۃ الامام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ

امابعد واضح ہو کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اسکی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے۔ جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں۔ سو بموجب اس نبوی وصیت کے ضروری ہوا۔ کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے*۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ ہر ایک شخص جس کو کوئی خواب سچی آوے یا الہام کا دروازہ اُسپر کُھلا ہو۔ وہ اس نام سے موسوم ہوسکتا ہے۔ بلکہ امام کی حقیقت کوئی اور امر جامع اور حالت کاملہ تامہ ہے۔ جس کی وجہ سے آسمان پر اس کا نام امام ہے؟ اور یہ تو ظاہر ہے کہ صرف تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے کوئی شخص امام نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا[1]۔ پس اگر ہر ایک

* حدثنا عبداللہ حدثنا ابی حدثنا اسود بن عامر انا ابوبکر عن عاصم عن ابی صالح عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ صفحہ ۹۶ جلد ۴ مسند احمد واخرجہ احمد والترمذی وابن خزیمۃ وابن حبان وصححہ من حدیث الحارث الاشعری بلفظ من مات. ولیس علیہ امام جماعۃ فان موتتہ موتۃ جاھلیۃ ورواہ الحاکم من حدیث بن عمرو من حدیث معاویۃ ورواہ البزار من حدیث ابن عباس۔

[1] الفرقان: ۷۵

متقی امام ہے۔ تو پھر تمام مومن متقی امام ہی ہوئے۔ اور یہ امر منشاء آیت کے برخلاف ہے۔ اور ایسا ہی بموجب نص قرآن کریم کے ہر ایک ملہم اور صاحب رؤیا صادقہ امام نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ قرآن کریم میں عام مومنین کے لئے یہ بشارت ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] یعنی دُنیا کی زندگی میں مومنین کو یہ نعمت ملے گی کہ اکثر سچی خوابیں انہیں آیا کرینگی یا سچے الہام ان کو ہوا کرینگے۔ پھر قرآن شریف میں ایک دوسرے مقام میں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[2] یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں فرشتے ان کو بشارت کے الہامات سُناتے رہتے ہیں اور انکو تسلّی دیتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ الہام تسلّی دی گئی۔ لیکن قرآن ظاہر کر رہا ہے کہ اِس قسم کے الہامات یا خوابیں عام مومنوں کے لئے ایک رُوحانی نعمت ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ہوں۔ اور ان الہامات کے پانے سے وہ لوگ امام وقت سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اور اکثر یہ الہامات انکے ذاتیات کے متعلق ہوتے ہیں اور علوم کا افاضہ انکے ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی عظیم الشان تحدّی کے لائق ہوتے ہیں اور بہت سے بھروسے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ بعض وقت ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور جبتک امام کی دستگیری افاضہ علوم نہ کرے۔ تب تک ہرگز ہرگز خطرات سے امن نہیں ہوتا۔ اِس امر کی شہادت صدر اسلام میں ہی موجود ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو قرآن شریف کا کاتب تھا۔ اُسکو بسا اوقات نور نبوت کے قرب کی وجہ سے قرآنی آیات کا اُسوقت میں الہام ہو جاتا تھا جبکہ امام یعنی نبی علیہ السلام وہ آیت لکھوانا چاہتے تھے۔ ایک دن اُس نے خیال کیا کہ مجھ میں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق ہے۔ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اِس خیال سے وہ ہلاک کیا گیا۔ اور لکھا ہے کہ قبر نے بھی اُسکو باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ بلعم ہلاک کیا گیا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھا۔ اور امامت حقہ جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی اس کا شریک بننا نہ چاہا۔ بلکہ ادنےٰ چاکر

ص ۳۰

[1] یونس : ۶۵ [2] حٰم السجدہ : ۳۱

اور غلام اپنے تئیں قرار دیا۔ اسلئے خدا کے فضل نے اُنکو نائب امامت حقہ بنا دیا۔ اور اویس قرنی کو بھی الہام ہوتا تھا۔ اُس نے ایسی مسکینی اختیار کی کہ آفتاب نبوت اور امامت کے سامنے آنا بھی سوء ادب خیال کیا۔ سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا یمن کی طرف مونہہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ اجد ریح الرحمٰن من قبل الیمن۔ یعنی مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اویس میں خدا کا نور اترا ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ امامت حقہ کی ضرورت کو نہیں سمجھتے۔ اور ایک سچی خواب آنے سے یا چند الہامی فقروں سے خیال کر لیتے ہیں کہ ہمیں امام الزمان کی حاجت نہیں۔ کیا ہم کچھ کم ہیں؟ اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ایسا خیال سراسر معصیت ہے۔ کیونکہ جب کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام الزمان کی ضرورت ہر ایک صدی کیلئے قائم کی ہے اور صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف آئیگا کہ اُس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ اندھا آئیگا اور جاہلیت کی موت پر مرے گا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملہم یا خواب بین کا استثنا نہیں کیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ملہم ہو یا خواب بین ہو۔ اگر وہ امام الزمان کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے تو اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے مخاطب تمام مومن اور مسلمان ہیں۔ اُن میں ہر ایک زمانہ میں ہزاروں خواب بین اور ملہم بھی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُمت محمدیہ میں کئی کروڑ ایسے بندے ہونگے جن کو الہام ہوتا ہوگا۔ پھر ماسوا اسکے حدیث اور قرآن سے یہ ثابت ہے کہ امام الزمان کے وقت میں اگر کسی کو کوئی سچی خواب یا الہام ہوتا ہے تو وہ درحقیقت امام الزمان کے نور کا ہی پرتوہ ہوتا ہے۔ جو مستعد دلوں پر پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب دنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے تو ہزارہا انوار اُسکے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انتشار رُوحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اسکو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ

ص۳

سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے۔ اسکے تدبّر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جسکو عبادات کی طرف رغبت ہو اُسکو تعبد اور پرستش میں لذّت عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اُسکو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار رُوحانیت کا نتیجہ ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اُترتی اور ہر ایک مستعد کے دِل پر نازل ہوتی ہے۔ اور یہ ایک عام قانون اور سُنّت الٰہی ہے جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا اور ذاتی تجارب نے اس کا مشاہدہ کرایا ہے مگر مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے بھی بڑھ کر ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشارِ نورانیت اس حد تک ہوگا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائیگا اور نابالغ بچے نبوت کرینگے۔ اور عوام الناس رُوح القدس سے بولیں گے۔ اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی رُوحانیت کا پرتوہ ہوگا۔ جیساکہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو دیوار منوّر ہو جاتی ہے۔ اور اگر چُونہ اور قلعی سے سفید کی گئی ہو تو پھر تو اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ اور اگر اسمیں آئینے نصب کئے گئے ہوں۔ تو انکی روشنی اسقدر بڑھتی ہے کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی۔ مگر دیوار دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر مجھ میں ہے۔ کیونکہ سُورج کے غروب کے بعد پھر اس روشنی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی قسمت کا پھیر نہ ہو اور خدا کی طرف سے کوئی ابتلا نہ ہو تو سعید انسان جلد اس دقیقہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اور خدانخواستہ اگر کوئی اس الٰہی راز کو نہ سمجھے اور امام الزمان کے ظہور کی خبر سُنکر اس سے تعلّق نہ پکڑے تو پھر اوّل ایسا شخص امام سے استغنا ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر استغنا سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اجنبیت سے سُوء ظن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر سُوء ظن سے عداوت پیدا ہوتی ہے اور پھر عداوت سے نعوذ باللہ سلب ایمانی تک نوبت پہنچتی ہے۔ جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب ملہم اور اہلِ کشف تھے۔ اور نبی آخر الزمان کے قُربِ ظہور کی بشارت سُنایا کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے امام الزمان کو جو خاتم الانبیاء تھے۔ قبول نہ کیا۔

ص۵

توخدا کے غضب کے صاعقہ نے انکو ہلاک کر دیا اور اُنکے تعلقات خدا تعالیٰ سے بکلّی ٹوٹ گئے۔
اور جو کچھ انکے بارے میں قرآن شریف میں لکھا گیا اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی ہیں۔
جنکے حق میں قرآن شریف میں فرمایا گیا وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ[1] اس آیت کے یہی معنے
ہیں کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے نصرت دین کیلئے مدد مانگا کرتے تھے اور انکو الہام اور کشف ہوتا تھا
اگرچہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی خدا تعالیٰ کی نظر سے گر گئے تھے۔
لیکن جب عیسائی مذہب بوجہ مخلوق پرستی کے مر گیا اور اسمیں حقیقت اور نورانیت نہ رہی تو اُسوقت کے
یہود اس گناہ سے بری ہوگئے کہ وہ عیسائی کیوں نہیں ہوتے۔ تب اُن میں دوبارہ نورانیت پیدا
ہوئی۔ اور اکثر اُن میں سے صاحب الہام اور صاحب کشف پیدا ہونے لگے اور اُنکے راہبوں میں
اچھے اچھے حالات کے لوگ تھے اور وہ ہمیشہ اس بات کا الہام پاتے تھے کہ نبی آخر زمان اور امام دوران
جلد پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے بعض ربّانی علماء خدا تعالیٰ سے الہام پاکر ملک عرب میں آرہے تھے۔
اور انکے بچہ بچہ کو خبر تھی کہ عنقریب آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جائیگا۔ یہی معنے اس آیت کے
ہیں کہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ[2] یعنی اس نبی کو وہ ایسی صفائی سے پہچانتے ہیں جیساکہ
اپنے بچّوں کو۔ مگر جب کہ وہ نبی موعود اُسپر خدا کا سلام ظاہر ہوگیا۔ تب خود بینی اور تعصب نے اکثر راہبوں
کو ہلاک کر دیا اور اُنکے دِل سیہ ہوگئے۔ مگر بعض سعادتمند مسلمان ہوگئے اور انکا اسلام اچھا ہوا پس
یہ ڈرنے کا مقام ہے اور سخت ڈرنے کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کسی مومن کی بلعم کی طرح بد عاقبت نہ کرے
الٰہی تو اس اُمّت کو فتنوں سے بچا اور یہودیوں کی نظریں ان سے دُور رکھ۔ آمین ثم آمین۔
اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے قبائل اور قومیں اس غرض سے بنائیں کہ
تا اس جسمانی تمدّن کا ایک نظام قائم ہو اور بعض کے بعض سے رشتے اور تعلقات ہوکر ایکدوسرے
کے ہمدرد اور معاون ہو جاویں۔ اِسی غرض سے اس نے سلسلہ نبوّت اور امامت قائم کیا ہے کہ تا
اُمّت محمّدیہ میں رُوحانی تعلقات پیدا ہو جائیں اور بعض بعض کے شفیع ہوں۔
اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں اور اسکی علامات کیا ہیں اور اسکو دوسرے

[1] البقرۃ: ۹۰ [2] البقرۃ: ۱۴۷

ملہموں اور خواب بینوں اور اہلِ کشف پر ترجیح کیا ہے۔ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس شخص کی رُوحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولّی ہو کر اسکی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کی معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے انکو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اسکی فطرت دُنیا کی اصلاح کا پورا سامان لیکر اس مسافر خانہ میں آئی ہے۔ اسلئے اسکو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ رُوحانی طور پر محمدی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اُسکے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔ اور وہ تمام لوگ جو اُسکے جھنڈے کے نیچے آتے ہیں اُنکو بھی اعلیٰ درجہ کے قویٰ بخشے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام شرائط جو اصلاح کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور وہ تمام علوم جو اعتراضات کے اُٹھانے اور اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کیلئے ضروری ہیں اسکو عطا کئے جاتے ہیں۔ اور بایں ہمہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اسکو دُنیا کے بے ادبوں اور بدزبانوں سے بھی مقابلہ پڑیگا۔ اسلئے اخلاقی قوت بھی اعلیٰ درجہ کی اُسکو عطا کیجاتی ہے اور بنی نوع کی سچی ہمدردی اُسکے دل میں ہوتی ہے اور اخلاقی قوت سے یہ مُراد نہیں کہ ہر جگہ وہ خواہ نخواہ نرمی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تو اخلاقی حکمت کے اصول کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح تنگ ظرف آدمی دشمن اور بے ادب کی باتوں سے جل کر اور کباب ہو کر جلد مزاج میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں اور انکے چہرہ پر اس عذاب الیم کے جس کا نام غضب ہے۔ نہایت مکروہ طور پر آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور طیش اور اشتعال کی باتیں بے اختیار اور بے محل مُنہ سے نکلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حالت اہلِ اخلاق میں نہیں ہوتی۔ ہاں وقت اور محل کی مصلحت سے کبھی معالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس استعمال کے وقت نہ اُن کا دِل جلتا نہ طیش کی صُورت پیدا ہوتی ہے نہ مُنہ پر جھاگ آتی ہے ہاں کبھی بناوٹی غصہ رعب دکھلانے کیلئے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور دل آرام اور انبساط اور سرور میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسا کہ سوٴر۔ کُتّے۔ بے ایمان۔ بدکار وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے

مث

کہ نعوذ باللہ آپ اخلاق فاضلہ سے بے بہرہ تھے۔ کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھلاتے اور نرمی کی تاکید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے مُنہ پر جاری رہتے تھے یہ غصّہ کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔ غرض اخلاقی حالت میں کمال رکھنا اماموں کیلئے لازمی ہے۔ اور اگر کوئی سخت لفظ سوختہ مزاجی اور مجنونانہ طیش سے نہ ہو۔ اور عین محل پر چسپاں اور عندالضرورت ہو۔ تو وہ اخلاقی حالت کے منافی نہیں ہے اور یہ بات بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جن کو خدا تعالیٰ کا ہاتھ امام بناتا ہے۔ اُن کی فطرت میں ہی امامت کی قوّت رکھی جاتی ہے۔ اور جس طرح الٰہی فطرت نے بموجب آیت کریمہ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ[1] ہر ایک چرند اور پرند میں پہلے سے وہ قوت رکھ دی ہے جسکے بارے میں خدا تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ اس قوّت سے اسکو کام لینا پڑیگا۔ اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ ہے کہ ان سے امامت کا کام لیا جاویگا منصب امامت کے مناسب حال کئی رُوحانی ملکے پہلے سے رکھے جاتے ہیں۔ اور جن لیاقتوں کی آئندہ ضرورت پڑیگی۔ اُن تمام لیاقتوں کا بیج اُن کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے۔ اور مَیں دیکھتا ہوں کہ اماموں میں بنی نوع کے فائدے اور فیض رسانی کے لئے مندرجہ ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے:۔

اوّل۔ **قوتِ اخلاق**۔ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں اور سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسلئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے تا ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو۔ اور لوگ اُنکے فیض سے محروم نہ رہیں۔ یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاقِ رزیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرہ بھی متحمل نہ ہوسکے۔ اور جو امام زمان کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ بات میں مُنہ میں جھاگ آتا ہے۔ آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں۔ وہ کسی طرح امام زمان نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس پر آیت اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[2] کا پُورے طور پر صادق آجانا ضروری ہے۔

دوم۔ **قوّتِ امامت** ہے جس کی وجہ سے اس کا نام امام رکھا گیا ہے۔ یعنی نیک باتوں

[1] طٰہٰ: ۵۱ [2] القلم: ۵

اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبت الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق یعنی رُوح اسکی کسی نقصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔ اور اس بات سے اُسکو درد پہنچے اور دُکھ میں پڑے کہ وہ ترقی سے روکا جائے۔ یہ ایک فطرتی قوت ہے جو امام میں ہوتی ہے اور اگر یہ اتفاق بھی پیش نہ آوے کہ لوگ اسکے علوم اور معارف کی پیروی کریں اور اُسکے نور کے پیچھے چلیں تب بھی وہ بلحاظ اپنی فطرتی قوت کے امام ہے۔ غرض یہ دقیقہ معرفت یاد رکھنے کے لائق ہے کہ امامت ایک قوت ہے کہ اس شخص کے جوہر فطرت میں رکھی جاتی ہے جو اس کام کیلئے ارادہ الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اگر امامت کے لفظ کا ترجمہ کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قوت پیشروی۔ غرض یہ کوئی عارضی منصب نہیں جو پیچھے سے لگ جاتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیکھنے کی قوت اور سُننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آگے بڑھنے اور الٰہی امور میں سب سے اوّل درجہ پر رہنے کی قوت ہے۔ اور انہی معنوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

تیسری قوت بسطت فی العلم ہے جو امامت کیلئے ضروری اور اس کا خاصہ لازمی ہے۔ چونکہ امامت کا مفہوم تمام حقائق اور معارف اور لوازم محبت اور صدق اور وفا میں آگے بڑھنے کو چاہتا ہے۔ اِسی لئے وہ اپنے تمام دوسرے قویٰ کو اسی خدمت میں لگا دیتا ہے اور رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا میں ہر دم مشغول رہتا ہے۔ اور پہلے سے اسکے مدارک اور حواس ان اُمور کے لئے جوہر قابل ہوتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے علوم الٰہیہ میں اسکو بسطت عنایت کیجاتی ہے اور اسکے زمانہ میں کوئی دُوسرا ایسا نہیں ہوتا جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالات افاضہ اور اتمام حجت میں اُسکے برابر ہو۔ اسکی رائے صائب دوسروں کے علوم کی تصحیح کرتی ہے۔ اور اگر دینی حقائق کے بیان میں کسی کی رائے اسکی رائے کے مخالف ہو تو حق اسکی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم حقہ کے جاننے میں نور فراست اسکی مدد کرتا ہے۔ اور وہ نور ان چمکتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دوسروں کو نہیں دیا جاتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ [1] پس جس طرح مُرغی انڈوں کو اپنے پَروں کے نیچے لیکر انکو بچے بناتی ہے اور پھر بچوں کو پَروں کے نیچے رکھ کر اپنے جوہر انکے اندر

ص۹

[1] طٰہٰ: ۱۱۵ [1] الجمعہ: ۵

پہنچادیتی ہے۔ اسی طرح یہ شخص اپنے علوم رُوحانیہ سے صحبت یابوں کو علمی رنگ سے رنگین کرتا رہتا ہے اور یقین اور معرفت میں بڑھاتا جاتا ہے مگر دُوسرے ملہموں اور زاہدوں کیلئے اس قسم کی بسطت علمی ضروری نہیں کیونکہ نوع انسان کی تربیت علمی اُنکے سپرد نہیں کی جاتی۔ اور ایسے زاہدوں خواب بینوں میں اگرچہ نقصان علم اور جہالت باقی ہو تو چنداں جائے اعتراض نہیں کیونکہ وہ کسی کشتی کے ملاح نہیں ہیں۔ بلکہ خود ملاح کے محتاج ہیں۔ ہاں انکو ان فضولیوں میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ہم اس رُوحانی ملاح کی کچھ حاجت نہیں رکھتے۔ ہم خود ایسے اور ایسے ہیں۔ اور ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ضرور انکو حاجت ہے جیساکہ عورت کو مرد کی حاجت ہو۔ خدا نے ہر ایک کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہو۔ پس جو شخص امامت کیلئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر وہ ایسا دعویٰ زبان پر لائیگا تو وہ لوگوں سے اسی طرح اپنی ہنسی کرائیگا جیساکہ ایک نادان ولی نے بادشاہ کے روبرو ہنسی کرائی تھی۔ اور قصہ یُوں ہو کہ کسی شہر میں ایک زاہد تھا جو نیک بخت اور متقی تھا۔ مگر علم سے بے بہرہ تھا۔ اور بادشاہ کو اسپر اعتقاد تھا اور وزیر بوجہ اسکی بے علمی کے اس کا معتقد نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وزیر اور بادشاہ دونوں اسکے ملنے کیلئے گئے اور اُس نے محض فضولی کی راہ سے اسلامی تاریخ میں دخل دیکر بادشاہ کو کہا کہ اسکندر رومی بھی اس اُمّت میں بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ تب وزیر کو نکتہ چینی کا موقعہ ملا اور فی الفور کہنے لگا کہ دیکھئے حضور فقیر صاحب کو علاوہ کمالات ولایت کے تاریخ دانی میں بھی بہت کچھ دخل ہو۔ سو امام الزمان کو مخالفوں اور عام سائلوں کے مقابل پر اسقدر الہام کی ضرورت نہیں جسقدر علمی قوّت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ شریعت پر ہر ایک قسم کے اعتراض کرنیوالے ہوتے ہیں۔ طبابت کے رُو سے بھی، ہیئت کے رُو سے بھی، طبعی کے رُو سے بھی، جغرافیہ کے رُو سے بھی اور کتب مسلمہ اسلام کے رُو سے بھی اور عقلی بنا پر بھی اور نقلی بنا پر بھی اور امام الزمان حامی بیضۂ اسلام کہلاتا ہی۔ اور اس باغ کا خداتعالیٰ کی طرف سے باغبان ٹھہرایا جاتا ہو۔ اور اسپر فرض ہوتا ہو کہ ہر ایک اعتراض کو دُور کرے اور ہر ایک معترض کا مُنہ بند کرے۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہوتا ہو کہ نہ صرف اعتراضات دُور کرے بلکہ اسلام کی خوبی اور خوبصورتی بھی دُنیا پر ظاہر کرے۔ پس

صفحہ ۱۰

ایسا شخص نہایت قابلِ تعظیم اور کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ اُسکے وجود سے اسلام کی زندگی ظاہر ہوتی ہے اور وہ اسلام کا فخر اور تمام بندوں پر خدا تعالیٰ کی حجت ہوتا ہے۔ اور کسی کیلئے جائز نہیں ہوتا کہ اس سے جُدائی اختیار کرے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اذن سے اسلام کی عزت کا مُربّی اور تمام مسلمانوں کا ہمدرد اور کمالاتِ دینیہ پر دائرہ کی طرح محیط ہوتا ہے۔ ہر ایک اسلام اور کفر کی کشتی گاہ میں وُہی کام آتا ہے اور اسی کے انفاسِ طیبہ کفر کش ہوتے ہیں۔ وہ بطور کل کے اور باقی سب اُس کے جُزو ہوتے ہیں ؎

اوچو کل و تو چو جزئی نے کلی
تو ہلاک استی اگر از وے بگسلی

چوتھی قوّت عزم ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہے اور عزم سے مراد یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ نا اُمید ہونا اور نہ ارادہ میں سُست ہو جانا۔ بسا اوقات نبیوں اور مرسلوں اور محدّثوں کو جو امام الزمان ہوتے ہیں ایسے ابتلا پیش آجاتے ہیں کہ وہ بظاہر ایسے مصائب میں پھنس جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ نے اُنکو چھوڑ دیا ہے اور اُنکے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور بسا اوقات اُنکی وحی اور الہام میں فترت واقع ہو جاتی ہے کہ ایک مُدت تک کچھ وحی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ان کی بعض پیشگوئیاں ابتلا کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں اور عوام پر اُنکا صدق نہیں کُھلتا اور بسا اوقات اُنکے مقصود کے حصول میں بہت کچھ توقف پڑ جاتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ دُنیا میں متروک اور مخذول اور ملعون اور مردود کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص جو اُنکو گالی دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ گویا مَیں بڑا ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور ہر ایک اُن سے نفرت کرتا اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ سلام کا بھی جواب دے۔ لیکن ایسے وقتوں میں انکا عزم آزمایا جاتا ہے۔ وہ ہرگز ان آزمائشوں سے بیدل نہیں ہوتے اور نہ اپنے کام میں سُست ہوتے ہیں یہاں تک کہ نصرتِ الٰہی کا وقت آجاتا ہے۔

صفحہ ۱۱

پانچویں قوّت اقبال علی اللہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہے۔ اور اقبال علی اللہ سے مُراد یہ ہے کہ وہ لوگ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت اور نیز اُسوقت کہ جب سخت دشمن سے مقابلہ

آپڑے۔ اور کسی نشان کا مطالبہ ہو۔ اور یا کسی فتح کی ضرورت ہو۔ اور یا کسی کی ہمدردی واجبات سے ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔ اور پھر ایسے جھکتے ہیں کہ اُنکے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لا ینفک سے بھری ہوئی دُعاؤں سے ملاء اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے۔ اور انکی محویت کے تضرعات سے آسمانوں میں ایک دردناک غلغلہ پیدا ہو کر ملائک میں اضطراب ڈالتا ہے۔ پھر جس طرح شدت کی گرمی کی انتہا کے بعد برسات کی ابتدا میں آسمان پر بادل نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اُنکے اقبال علی اللہ کی حرارت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سخت توجہ کی گرمی آسمان پر کچھ بنانا شروع کر دیتی ہے اور تقدیریں بدلتی ہیں اور الٰہی ارادے اور رنگ پکڑتے ہیں یہانتک کہ قضاء و قدر کی ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح تپ کا مادہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر مسہل کی دوا بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی اس مادہ کو باہر نکالتی ہے۔ ایسا ہی مردانِ خدا کے اقبال علی اللہ کی تاثیر ہوتی ہے۔ ؎

آں دُعائے شیخ نے چوں ہر دُعاست
فانی است دوستِ او دستِ خداست

اور امام الزمان کا اقبال علی اللہ یعنے اسکی توجہ الی اللہ تمام اولیاء اللہ کی نسبت زیادہ تر تیز اور سریع الاثر ہوتی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کا امام الزمان تھا اور بلعم اپنے وقت کا ولی تھا جسکو خدا تعالیٰ سے مکالمہ اور مخاطبہ نصیب تھا۔ اور نیز مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام سے بلعم کا مقابلہ آپڑا۔ تو وہ مقابلہ اس طرح بلعم کو ہلاک کر گیا کہ جس طرح ایک تیز تلوار ایک دم میں سر کو بدن سے جدا کر دیتی ہے اور بدبخت بلعم کو چونکہ اس فلاسفی کی خبر نہ تھی کہ گو خدا تعالیٰ کسی سے مکالمہ کرے اور اسکو اپنا پیارا اور برگزیدہ ٹھہراوے مگر وہ جو فضل کے پانی میں اس سے بڑھ کر ہے۔ جب اس شخص سے اس کا مقابلہ ہوگا۔ تو بیشک یہ ہلاک ہو جائیگا۔ اور اسوقت کوئی الہام کام نہیں دیگا اور نہ مستجاب الدعوات ہونا کچھ مدد دیگا۔ اور یہ تو ایک بلعم تھا۔ مگر مَیں جانتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسی طرح ہزاروں بلعم ہلاک ہوئے جیسا کہ یہودیوں کے

راہب عیسائی دین کے مرنے کے بعد اکثر ایسے ہی تھے۔

چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اور اسکے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور انکے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں۔ اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض جو لوگ امام الزمان ہوں انکے کشوف اور الہام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ نصرتِ دین اور تقویت ایمان کیلئے نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اُن سے نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور اُنکی دُعا کا جواب دیتا ہے۔ اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے صفا اور لذیذ اور فصیح الہام کے پیرایہ میں شروع ہوتا ہے کہ صاحبِ الہام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک کلوخ انداز در پردہ ایک کلوخ پھینک جائے اور بھاگ جائے۔ اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا۔ اور کہاں گیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اُن سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ پر سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے۔ اور یہ کیفیت دُوسروں کو میسّر نہیں آتی۔ بلکہ وہ تو بسا اوقات اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا اُن سے کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے۔ اور امام الزمان کی الہامی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ چابک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے اور یہ قوت اور انکشاف اِسلئے اُنکے الہام کو دیا جاتا ہے کہ تا اُنکے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ نہ ہوں اور تا دُوسروں پر حجت ہو سکیں۔

واضح ہو کہ شیطانی الہامات ہونا حق ہے اور بعض ناتمام سالک لوگوں کو ہُوا کرتے ہیں۔ اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جسکو اضغاث احلام کہتے ہیں۔ اور جو شخص اِس سے انکار کرے۔ وہ

۱۳

قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبتک انسان کا تزکیہ نفس پورے اور کامل طور پر نہ ہو تب تک اسکو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔ اور وہ آیت عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ[1] کے نیچے آسکتا ہے۔ مگر پاکوں کو شیطانی وسوسہ پر بلاتوقف مطلع کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ بعض پادری صاحبان نے اپنی تصنیفات میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت اس واقعہ کی تفسیر میں کہ جب اُنکو ایک پہاڑی پر شیطان لے گیا۔ اس قدر جرأت کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ یہ کوئی خارجی بات نہ تھی جس کو دُنیا دیکھتی اور جس کو یہودی بھی مشاہدہ کرتے۔ بلکہ یہ تین مرتبہ شیطانی الہام حضرت مسیح کو ہؤا تھا۔ جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ مگر انجیل کی ایسی تفسیر سُننے سے ہمارا تو بدن کانپتا ہے کہ مسیح اور پھر شیطانی الہام۔ ہاں اگر اس شیطانی گفتگو کو شیطانی الہام نہ مانیں اور یہ خیال کریں کہ درحقیقت شیطان نے مجسّم ہو کر حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ملاقات کی تھی تو یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطان نے جو بُڑا نا سانپ ہے فی الحقیقت اپنے تئیں جسمانی صورت میں ظاہر کیا تھا۔ اور وجود خارجی کے ساتھ آدمی بنکر یہودیوں کے ایسے متبرک معبد کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا جس کے اردگرد صدہا آدمی رہتے تھے۔ تو ضرور تھا کہ اسکے دیکھنے کیلئے ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے۔ بلکہ چاہیئے تھا کہ حضرت مسیح آواز مار کر یہودیوں کو شیطان دکھلا دیتے۔ جس کے وجود کے کئی فرقے منکر تھے۔ اور شیطان کا دِکھلا دینا حضرت مسیح کا ایک نشان ٹھہرتا۔ جس سے بہت آدمی ہدایت پاتے اور رومی سلطنت کے معزز عہدہ دار شیطان کو دیکھ کر اور پھر اُس کو پرواز کرتے ہوئے مشاہدہ کر کے ضرور حضرت مسیح کے پَیرو ہو جاتے مگر ایسا نہ ہؤا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ کوئی رُوحانی مکالمہ تھا جسکو دُوسرے لفظوں میں شیطانی الہام کہہ سکتے ہیں مگر میرے خیال میں یہ بھی آتا ہے کہ یہودیوں کی کتابوں میں بہت سے شریر انسانوں کا نام بھی شیطان رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی محاورہ کے لحاظ سے مسیح نے بھی ایک اپنے بزرگ حواری کو جس کو انجیل میں اس واقعہ کی تحریر سے چند سطر ہی پہلے بہشت کی کُنجیاں دی گئی تھیں۔

[1] الشعراء : ۲۲۳

۱۴۲

شیطان کہا ہے۔ پس یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ کوئی یہودی شیطان اور ٹھٹھے اور ہنسی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا ہوگا۔ اور آپ نے جیساکہ پطرس کا نام شیطان رکھا۔ اسکو بھی شیطان کہہ دیا ہوگا۔ اور یہودیوں میں اس قسم کی شرارتیں بھی تھیں۔ اور ایسے سوال کرنا یہودیوں کا خاصہ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سب قصہ ہی جھوٹ ہو جو عمداً یا دھوکہ کھانے سے لکھ دیا ہو۔ کیونکہ یہ انجیلیں حضرت مسیح کی انجیلیں نہیں ہیں اور نہ انکی تصدیق شدہ ہیں۔ بلکہ حواریوں نے یا کسی اور نے اپنے خیال اور عقل کے موافق لکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں باہمی اختلاف بھی ہے۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ ان خیالات میں بعض لکھنے والوں سے غلطی ہو گئی۔ جیساکہ یہ غلطی ہوئی کہ انجیل نویسوں میں سے بعض نے گمان کیا کہ گویا حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے ہیں*۔ ایسی غلطیاں حواریوں کی سرشت میں تھیں۔ کیونکہ انجیل ہمیں خبر دیتی ہے کہ انکی عقل باریک نہ تھی۔ انکے حالات ناقصہ کی خود حضرت مسیح گواہی دیتے ہیں کہ وہ فہم اور درائت اور عملی قوت میں بھی کمزور تھے۔ بہرحال یہ سچ ہے کہ پاکوں کے دل میں شیطانی خیال مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی تیرتا ہوا سرسری وسوسہ انکے دل کے نزدیک آبھی جائے تو جلد تر وہ شیطانی خیال دور اور دفع کیا جاتا ہے اور انکے پاک دامن پر کوئی داغ نہیں لگتا۔ قرآن شریف میں اس قسم کے وسوسہ کو جو ایک کم رنگ اور ناپختہ خیال سے مشابہ ہوتا ہے۔ طائف کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور لغتِ عرب میں اس کا نام طائف اور طوف اور طیّف اور طیِّف بھی ہے۔ اور اس وسوسہ کا دل سے نہایت ہی کم تعلق ہوتا ہے گویا نہیں ہوتا۔ یا یوں کہو کہ جیساکہ دُور سے کسی درخت کا سایہ بہت ہی خفیف سا پڑتا ہے۔ ایسا ہی یہ وسوسہ ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ شیطان لعین نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دل میں اسی قسم کے خفیف وسوسہ کے ڈالنے کا ارادہ کیا ہو۔ اور انہوں نے قوت نبوت سے اس وسوسہ کو دفع کر دیا ہو۔ اور ہمیں یہ کہنا اس مجبوری سے پڑا

ص۱۵

* عیسائیوں کی بہت سی انجیلوں میں سے ایک انجیل اب تک ان کے پاس وہ بھی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے۔ یہ بیان صحیح ہے کیونکہ مرہم عیسٰے اس کی تصدیق کرتی ہے جس کا ذکر صدہا طبیبوں نے کیا ہے۔ منہ

ہے کہ یہ قصہ صرف انجیلوں میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری احادیث صحیحہ میں بھی ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

عن محمد بن عمران الصیرفی قال حدثنا الحسن بن علیل العنزی عن العباس بن عبد الواحد ۔ عن محمد بن عمرو ۔ عن محمد بن مناذر ۔ عن سفیان بن عینیۃ عن عمرو بن دینار ۔ عن طاؤس عن ابی ھریرۃ قال جاء الشیطٰن الیٰ عیسٰی ۔ قال الست تزعم انک صادق قال بلیٰ قال فاوقف علیٰ ھذہ الشاھقۃ فالق نفسک منھا فقال ویلک الم یقل اللہ یا ابن اٰدم لا تبلنی بھلاکک فانی افعل ما اشاء۔

یعنی محمد بن عمران صیرفی سے روایت ہے۔ اور انہوں نے حسن بن علیل عنزی سے روایت کی اور حسن نے عباس سے اور عباس نے محمد بن عمرو سے اور محمد بن عمرو نے محمد بن مناذر سے۔ اور محمد بن مناذر نے سفیان بن عینیہ سے اور سفیان نے عمرو بن دینار سے اور عمرو بن دینار نے طاؤس سے اور طاؤس نے ابوہریرہ سے کہا شیطان عیسٰے کے پاس آیا اور کہا کہ کیا تو گمان نہیں کرتا کہ تو سچا ہے۔ اُس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ شیطان نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو اس پہاڑ پر چڑھ جا اور پھر اس پر سے اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ حضرت عیسٰی نے کہا تجھ پر واویلا ہو کیا تو نہیں جانتا۔ کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی موت کے ساتھ میرا امتحان نہ کر کہ مَیں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ شیطان ایسی طرز سے آیا ہوگا جیسا کہ جبرائیل پیغمبروں کے پاس آتا ہے۔ کیونکہ جبرائیل ایسا تو نہیں آتا جیسا کہ انسان کسی گاڑی میں بیٹھ کر یا کسی کرایہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اور پگڑی باندھ کر اور چادر اوڑھ کر آتا ہے۔ بلکہ اس کا آنا عالم ثانی کے رنگ میں ہوتا ہے پھر شیطان جو کمتر اور ذلیل تر ہے۔ کیونکر انسانی طور پر کھلے کھلے آسکتا ہے۔ اس تحقیق سے بہرحال اس بات کو ماننا پڑتا ہے جو ڈریپر نے بیان کی ہے۔ لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے قوّتِ نبوّت اور نورِ حقیقت کے ساتھ شیطانی القا کو ہرگز ہرگز نزدیک آنے نہیں دیا۔ اور اس کے ذب اور دفع میں فوراً مشغول ہو گئے۔ اور جس طرح نور کے مقابل پر ظلمت ٹھہر نہیں سکتی۔ اسی طرح شیطان ان کے مقابل پر ٹھہر نہیں سکا اور بھاگ گیا۔ یہی اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ

عَلَیۡھِمۡ سُلۡطَانٌ[1] کے صحیح معنے ہیں۔ کیونکہ شیطان کا سلطان یعنی تسلّط درحقیقت اُن پر ہے جو شیطانی وسوسہ اور الہام کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دُور سے نُور کے تیر سے شیطان کو مجروح کرتے ہیں اور اُسکے منہ پر زجر اور توبیخ کا جُوتہ مارتے ہیں اور اپنے مُنہ سے وہ کچھ بکے جائے اُسکی پَیروی نہیں کرتے وہ شیطانی تسلّط سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر چونکہ اُن کو خدا تعالےٰ ملکوت السّمٰوٰت والارض دکھانا چاہتا ہے اور شیطان ملکوت الارض میں سے ہے۔ اِسلئے ضروری ہے کہ وہ مخلوقات کے مشاہدہ کا دائرہ پورا کرنے کے لئے اس عجیب الخلقت وجود کا چہرہ دیکھ لیں اور کلام سُن لیں جس کا نام شیطان ہے۔ اِس سے اُنکے دامن تنزّہ اور عصمت کو کوئی داغ نہیں لگتا۔ حضرت مسیح سے شیطان نے اپنے قدیم طریقہ وسوسہ اندازی کے طرز پر شرارت سے ایک درخواست کی تھی۔ سو اُنکی پاک طبیعت نے فی الفور اُسکو ردّ کیا اور قبول نہ کیا۔ اِس میں اُنکی کوئی کسرِشان نہیں۔ کیا بادشاہوں کے حضور میں کبھی بدمعاش کلام نہیں کرتے۔ سو ایسا ہی رُوحانی طور سے شیطان نے یسوع کے دِل میں اپنا کلام ڈالا۔ یسوع نے اس شیطانی الہام کو قبول نہ کیا۔ بلکہ ردّ کیا۔ سو یہ تو قابل تعریف بات ہوئی۔ اس سے کوئی نکتہ چینی کرنا حماقت اور رُوحانی فلاسفی کی بے خبری ہے۔ لیکن جیسا کہ یسوع نے اپنے نُور کے تازیانہ سے شیطانی خیال کو دفع کیا۔ اور اُسکے الہام کی پلیدی فی الفور ظاہر کر دی۔ ہر ایک زاہد اور صُوفی کا یہ کام نہیں۔ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ شیطانی الہام مجھے بھی ہوُا تھا۔ شیطان نے کہا کہ اے عبد القادر تیری عبادتیں قبول ہوئیں۔ اب جو کچھ دُوسروں پر حرام ہے تیرے پر حلال اور نماز سے بھی اب تجھے فراغت ہے جو چاہے کر۔ تب میں نے کہا کہ اے شیطان دُور ہو۔ وُہ باتیں میرے لئے کب روا ہو سکتی ہیں جو نبی علیہ السلام پر روا نہیں ہوئیں۔ تب شیطان مع اپنے سنہری تخت کے میری آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا۔ اَب جب کہ عبد القادر جیسے اہل اللہ اور مرد فرد کو شیطانی الہام ہوُا تو دوسرے عامۃ الناس جنہوں نے ابھی اپنا سلوک بھی تمام نہیں کیا۔ وہ کیونکر اس سے

صفحہ ۱۷

[1] الحجر: ۴۳

بچ سکتے ہیں۔ اور اُنکو وہ نورانی آنکھیں کہاں حاصل ہیں۔ تا سیّد عبد القادر اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح شیطانی الہام کو شناخت کرلیں۔ یاد رہے کہ وہ کاہن جو عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے۔ ان لوگوں کو بکثرت شیطانی الہام ہوتے تھے اور بعض وقت وہ پیشگوئیاں بھی الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے۔ اور تعجب یہ کہ اُن کی بعض پیشگوئیاں سچی بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسلامی کتابیں ان قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ پس جو شخص شیطانی الہام کا منکر ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیموں کا انکاری ہے۔ اور نبوت کے تمام سلسلہ کا منکر ہے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہُوا تھا۔ اور انہوں نے الہام کے ذریعہ سے جو ایک سفید جن کا کرتب تھا۔ ایک بادشاہ کی فتح کی پیشگوئی کی۔ آخر وہ بادشاہ بڑی ذلّت سے اُسی لڑائی میں مارا گیا اور بڑی شکست ہوئی اور ایک پیغمبر جس کو حضرت جبرائیل سے الہام ملا تھا۔ اُس نے یہی خبر دی تھی کہ بادشاہ مارا جائے گا۔ اور کتّے اس کا گوشت کھائیں گے۔ اور بڑی شکست ہوگی۔ سو یہ خبر سچّی نکلی۔ مگر اس چار سَو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔

صفحہ ۱۸

اِس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ اس کثرت سے شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں تو پھر الہام سے امان اُٹھتا ہے۔ اور کوئی الہام بھروسہ کے لائق نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ شیطانی ہو۔ خاصکر جبکہ مسیح جیسے اولی العزم نبی کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ تو پھر اس سے تو ملہموں کی کمر ٹوٹتی ہے۔ تو الہام کیا ایک بلا ہو جاتی ہے۔ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیدل ہونے کا کوئی محل نہیں۔ دُنیا میں خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ایسا ہی واقع ہُوا ہے کہ ہر ایک عمدہ جوہر کے ساتھ مغشوش چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھو ایک تو وہ موتی ہیں جو دریا سے نکلتے ہیں۔ دُوسرے وہ سستے موتی ہیں جو لوگ آپ بنا کر بیچتے ہیں۔ اب اِس خیال سے کہ دُنیا میں جھوٹے موتی بھی ہیں سچّے موتیوں کی خرید و فروخت بند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ جوہری جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دی ہے۔ ایک ہی نظر سے پہچان جاتے ہیں کہ یہ سچّا اور

یہ جھوٹا ہے۔ سو الہامی جواہرات کا جوہری امام الزمان ہوتا ہے۔ اسکی صحبت میں رہ کر انسان جلد اصل اور مصنوعی میں فرق کر سکتا ہے۔ اے صوفیو!! اور اس مُہوسی کے گرفتارو۔ ذرا ہوش سنبھال کر اس راہ میں قدم رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سچا الہام جو خالص خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے مندرجہ ذیل علامتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے:۔

(۱) وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ جب کہ انسان کا دل آتشِ درد سے گداز ہو کر مُصفّا پانی کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرف حدیث کا اشارہ ہے کہ قرآن غم کی حالت میں نازل ہوا۔ لہٰذا تم بھی اس کو غمناک دِل کے ساتھ پڑھو۔

(۲) سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذّت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے اور نامعلوم وجہ سے یقین بخشتا ہے اور ایک فولادی میخ کی طرح دِل کے اندر دھنس جاتا ہے اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(۳) سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے۔ اور دِل پر اس سے مضبوط ٹھوکر لگتی ہے۔ اور قوّت اور رعبناک آواز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے۔ مگر جھوٹے الہام میں چوروں اور مخنثوں اور عورتوں کی سی دھیمی آواز ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان چور اور مخنث اور عورت ہے۔

(۴) سچا الہام خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں اور وہ پُوری بھی ہو جائیں۔

(۵) سچا الہام انسان کو دن بدن نیک بناتا جاتا ہے۔ اور اندرونی کثافتیں اور غلاظتیں پاک کرتا ہے اور اخلاقی حالتوں کو ترقی دیتا ہے۔

(۶) سچے الہام پر انسان کی تمام اندرونی قوتیں گواہ ہو جاتی ہیں اور ہر ایک قوّت پر ایک نئی اور پاک روشنی پڑتی ہے اور انسان اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور اسکی پہلی زندگی مر جاتی ہے اور نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور وہ بنی نوع کی ایک عام ہمدردی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۷) سچا الہام ایک ہی آواز پر ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا کی آواز ایک سلسلہ رکھتی ہے۔ وہ

صفحہ ۱۹

نہایت ہی علیم ہے جسکی طرف توجہ کرتا ہے۔ اُس سے مکالمت کرتا ہے اور سوالات کا جواب دیتا ہے اور ایک ہی مکان اور ایک ہی وقت میں انسان اپنے معروضات کا جواب پا سکتا ہے۔ گو اس مکالمہ پر کبھی فترت کا زمانہ بھی آجاتا ہے۔

(۸) سچے الہام کا انسان کبھی بُزدل نہیں ہوتا اور کسی مدعی الہام کے مقابلہ سے اگرچہ وہ کیسا ہی مخالف ہو نہیں ڈرتا۔ جانتا ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے اور وہ اسکو ذلت کے ساتھ شکست دیگا۔

(۹) سچا الہام اکثر علوم اور معارف کے جاننے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے ملہم کو بے علم اور جاہل رکھنا نہیں چاہتا۔

(۱۰) سچے الہام کے ساتھ اور بھی بہت سی برکتیں ہوتی ہیں اور کلیم اللہ کو غیب سے عزت دی جاتی ہے اور رعب عطا کیا جاتا ہے۔

آجکل کا ایک ایسا ناقص زمانہ ہے کہ اکثر فلسفی طبع اور نیچری اور برہمو اس الہام سے منکر ہیں۔ اسی انکار میں کئی اس دُنیا سے گذر بھی گئے۔ لیکن اصل امر یہ ہے کہ سچائی سچائی ہے گو تمام جہان اس کا انکار کرے۔ اور جھوٹ جھوٹ ہے گو تمام دُنیا اس کی مصدق ہو۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے اور اس کو مدبّر عالم خیال کرتے ہیں۔ اور اس کو بصیر اور سمیع اور علیم جانتے ہیں۔ ان کی یہ حماقت ہے کہ اسقدر اقراروں کے بعد پھر خدا تعالیٰ کے کلام سے منکر رہیں۔ کیا جو دیکھتا ہے جانتا ہے اور بغیر ذریعہ جسمانی اسباب کے اس کا علم ذرہ ذرہ پر محیط ہے وہ بول نہیں سکتا۔ اور یہ کہنا بھی غلطی ہے کہ اسکی قوّتِ گویائی پہلے تو تھی اور اب بند ہو گئی۔ گویا اس کی صفتِ کلام آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ لیکن ایسا کہنا بڑی نومیدی دیتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی صفتیں بھی کسی زمانہ تک چل کر پھر مفقود ہو جاتی ہیں اور کچھ بھی اُنکا نشان باقی نہیں رہتا تو پھر باقی ماندہ صفتوں میں بھی جائے اندیشہ ہے۔ افسوس ایسی عقلوں اور ایسے اعتقادوں پر کہ جو خدا تعالیٰ کی تمام صفات مان کر پھر چھری ہاتھ میں لے بیٹھتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ضروری حصہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ افسوس کہ آریوں نے تو وید تک ہی خدا تعالیٰ کے کلام پر مہر لگا دی تھی۔ مگر

صفحہ ۲۰

عیسائیوں نے بھی الہام کو بے مہر رہنے نہ دیا۔ گویا حضرت مسیح تک ہی انسانوں کو ذاتی بصیرت اور معرفت حاصل کرنے کیلئے چشم وید الہاموں کی حاجت تھی اور آئندہ ایسی بدقسمت ذریت ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے محروم ہیں۔ حالانکہ انسان ہمیشہ چشمدید ماجرا اور ذاتی بصیرت کا محتاج ہے۔ مذہب اسی زمانہ تک علم کے رنگ میں رہ سکتا ہے جبتک خدا تعالیٰ کی صفات ہمیشہ تازہ بتازہ تجلّی فرماتی رہیں۔ ورنہ کہانیوں کی صورت میں ہو کر جلد مر جاتا ہے۔ کیا ایسی ناکامی کو کوئی انسانی کانشنس قبول کر سکتا ہے۔ جب کہ ہم اپنے اندر اس بات کا احساس پاتے ہیں کہ ہم اس معرفت تامہ کے محتاج ہیں جو کسی طرح بغیر مکالمہ الٰہیہ اور بڑے بڑے نشانوں کے پوری نہیں ہو سکتی تو کس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت ہم پر الہامات کا دروازہ بند کر سکتی ہے۔ کیا اِس زمانہ میں ہمارے دِل اور ہو گئے ہیں یا خدا اور ہو گیا ہے۔ یہ تو ہم نے مانا اور قبول کیا کہ ایک زمانہ میں ایک کا الہام لاکھوں کی معرفت کو تازہ کر سکتا ہے اور فرد فرد میں ہونا ضروری نہیں۔ لیکن یہ ہم قبول نہیں کر سکتے کہ الہام کی سرے سے صف ہی اُلٹ دی جائے۔ اور ہمارے ہاتھ میں صرف ایسے قصے ہوں جن کو ہم نے بچشم خود دیکھا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک امر صدہا سال سے قصّے کی صورت میں ہی چلا جائے اور اس کی تصدیق کیلئے کوئی تازہ نمونہ پیدا نہ ہو تو اکثر طبیعتیں جو فلسفی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس قصّے کو بغیر قوی دلیل کے قبول نہیں کر سکتیں۔ خاصکر جبکہ قصّے ایسی باتوں پر دلالت کریں کہ جو ہمارے زمانہ میں خلاف قیاس معلوم ہوں یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیشہ فلسفی طبع آدمی ایسی کرامتوں پر ٹھٹھا کرتے آئے ہیں اور شبہ کی حد تک بھی نہیں ٹھہرتے۔ اور یہ اُن کا حق بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُنکے دِل میں گذرتا ہے کہ جب کہ وہی خدا ہے اور وہی صفات اور وہی ضرورتیں ہمیں پیش ہیں تو پھر الہام کا سلسلہ کیوں بند ہے۔ حالانکہ تمام رُوحیں شور ڈال رہی ہیں کہ ہم بھی تازہ معرفت کے محتاج ہیں۔ اسی وجہ سے ہندوؤں میں لاکھوں انسان دہریہ ہو گئے۔ کیونکہ بار بار پنڈتوں نے اُنکو یہی تعلیم دی کہ کروڑہا سال سے الہام اور کلام کا سلسلہ بند ہے۔ اب اُنکو یہ شبہات دِل میں گذرے کہ وید کے زمانہ

صفحہ ۲۱

کی نسبت ہمارا زمانہ پرمیشر کے تازہ الہامات کا بہت محتاج تھا۔ پھر اگر الہام ایک حقیقتِ حقہ ہے تو وید کے بعد اس کا سلسلہ کیوں قائم نہیں رہا۔ اسی وجہ سے آریہ ورت میں دہریت پھیل گئی۔ اسی لئے صدہا فرقے ہندوؤں میں ایسے پاؤ گے جو وید سے ٹھٹھا کرتے اور اس سے انکاری ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک جین مت کا فرقہ ہے۔ اور درحقیقت سکھوں کا فرقہ بھی انہی خیالات کی وجہ سے ہندوؤں سے الگ ہوا ہے۔ کیونکہ ایک تو ہندو مذہب میں دُنیا کی صدہا چیزوں کو خدا کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ اور اس قدر شرک کا انبار ہے جس میں پرمیشر کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ اور پھر جو وید کے الہامی ہونے کا دعویٰ ہے۔ یہ محض بلاثبوت ایک قصہ ہے جس کو لاکھوں برسوں کی طرف حوالہ دیا جاتا ہے۔ تازہ ثبوت کوئی نہیں۔ اِسی سبب سے جو پورے سکھ ہیں وہ وید کو نہیں مانتے۔ چنانچہ اخبار عام لاہور ۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء میں ایک سکھ صاحب کا ایک مضمون اسی بارے میں شائع ہوا ہے اور انہوں نے اِس بات کی تائید میں کہ خالصہ کا گروہ وید کو نہیں مانتا۔ اور انکو گوروؤں کی طرف سے ہدایت ہے کہ وید کو ہرگز نہ مانیں۔ گرنتھ کے شبد یعنی شعر بھی لکھے ہیں جن کا ماحصل یہی ہے کہ وید کو ہرگز نہ ماننا اور اقرار کیا ہے۔ کہ ہم لوگ وید کے ہرگز پَیرو نہیں ہیں اور نہ اسکو قبول کرتے ہیں۔ ہاں اُس نے قرآن شریف کی پیروی کا بھی اقرار نہیں کیا۔ مگر اس کا یہ سبب ہے کہ سکھوں کو اسلام کی واقفیت نہیں ہے اور وہ اس نور سے بیخبر ہیں۔ جو خدائے قادر قیوم نے اسلام میں رکھا ہوا ہے اور بباعث بے علمی اور تعصب کے انکو ان نوروں پر اطلاع بھی نہیں ہے کہ جو قرآن شریف میں بھرے پڑے ہیں۔ بلکہ جس قدر قومی طور پر ہندوؤں سے اُن کے تعلق ہیں مسلمانوں سے یہ تعلقات نہیں ہیں۔ ورنہ اُن کے لئے یہی کافی تھا کہ اس وصیّت پر چلتے کہ جو چولہ صاحب میں باوا نانک صاحب تحریر فرما گئے ہیں۔ کیونکہ چولہ صاحب میں باوا صاحب یہ لکھ گئے ہیں کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب صحیح اور سچا نہیں ہے۔ پس ایسے بزرگ کی اس ضروری وصیّت کو ضائع کر دینا نہایت قابل افسوس بات ہے خالصہ صاحبوں کے ہاتھ میں صرف ایک چولہ صاحب ہی ہے۔ جو

باوا صاحب کے ہاتھوں کی یادگار ہے۔ اور گرنتھ کے شبد تو بہت پیچھے سے اکٹھے کئے گئے ہیں۔ جس میں محققوں کو بہت کچھ کلام ہے۔ خدا جانے اس میں کیا کیا تصرفات ہوئے ہیں۔ اور کن کن لوگوں کے کلام کا ذخیرہ ہے۔ خیر یہ قصہ اس جگہ کے لائق نہیں ہے۔ ہمارا اصل مطلب تو یہ ہے کہ بنی نوع انسان کا ایمان تازہ رکھنے کیلئے تازہ الہامات کی ہمیشہ ضرورت ہے۔ اور وہ الہامات اقتداری قوت سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کسی شیطان جن بھوت میں اقتداری قوت نہیں ہے! اور امام الزمان کے الہام سے باقی الہامات کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام الزمان اپنی جبلت میں قوت امامت رکھتا ہے اور دستِ قدرت نے اسکے اندر پیشروی کا خاصہ پھونکا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے کہ وہ انسانوں کو متفرق طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ جیسا کہ اس نے نظام شمسی میں بہت سے ستاروں کو داخل کر کے سورج کو اس نظام کی بادشاہی بخشی ہے۔ ایسا ہی وہ عام مومنوں کو ستاروں کی طرح حسب مراتب روشنی بخش کر امام الزمان کو اُنکا سورج قرار دیتا ہے۔ اور یہ سنت الٰہی یہاں تک اسکی آفرینش میں پائی جاتی ہے کہ شہد کی مکھیوں میں بھی یہ نظام موجود ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے جو یعسوب کہلاتا ہے۔ اور جسمانی سلطنت میں بھی یہی خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو۔ اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے جو تفرقہ پسند کرتے ہیں۔ اور ایک امیر کے تحت حکم نہیں چلتے۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ[1] اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے۔ اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔ اسی لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے اُنکے مطیع رہیں۔

۲۳

[1] النساء : ۶۰

کیونکہ وہ ہمارے دینی مقاصد کے حارج نہیں ہیں بلکہ ہم کو اُنکے وجود سے بہت آرام ملا ہے۔ اور ہم خیانت کرینگے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ انگریزوں نے ہمارے دین کو ایک قسم کی وہ مدد دی ہے کہ جو ہندوستان کے اسلامی بادشاہوں کو بھی میسّر نہیں آسکی۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض اسلامی بادشاہوں نے اپنی کوتاہ ہمتی سے صوبہ پنجاب کو چھوڑ دیا تھا۔ اور انکی اس غفلت سے سکھوں کی متفرق حکومتوں کے وقت میں ہم پر اور ہمارے دین پر وہ مصیبتیں آئیں کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بلند آواز سے اذان دینا بھی مشکل ہوگیا تھا اور پنجاب میں دینِ اسلام مرچکا تھا۔ پھر انگریز آئے اور انگریز کیا ہمارے نیک طالع پھر ہماری طرف واپس ہوئے اور انہوں نے دین اسلام کی حمایت کی اور ہمارے مذہبی فرائض میں ہمیں پوری آزادی بخشی۔ اور ہماری مسجدیں واگذار کی گئیں۔ اور پھر مدت دراز کے بعد پنجاب میں شعارِ اسلام دکھائی دینے لگا۔ پس کیا یہ احسان یاد رکھنے کے لائق نہیں؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بعض سُست ہمت اسلامی بادشاہوں نے تو اپنی غفلتوں سے کفرستان میں ہمیں دھکّہ دیا تھا اور انگریز ہاتھ پکڑ کر پھر ہمیں باہر نکال لائے۔ پس انگریزوں کے برخلاف بغاوت کی کھچڑی پکاتے رہنا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کرنا ہے۔

پھر اصل کلام کی طرف عود کر کے کہتا ہوں۔ کہ قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر حکم ہو کر چلیں۔ یہی تاکید رُوحانی تمدن کے لئے بھی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دُعا سکھلاتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ[1]۔ پس سوچنا چاہیئے کہ یُوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمتِ رُوحانی کی بارش ہوئی ہے۔ انکی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہ تا ہم اُن کی پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ۔

۲۴

[1] الفاتحہ : ۶، ۷

یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدّث، مجدّد سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کیلئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات اُن کو دیئے گئے۔ وہ گو ولی ہوں یا ابدال ہوں۔ امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔

اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزمان کون ہے جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور ملہموں کو کرنی خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ سو مَیں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ

اِمَامُ الزّمان مَیں ہُوں

اور مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں اور تمام شرطیں جمع کی ہیں اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ جس میں سے پندرہ برس گذر بھی گئے۔ اور ایسے وقت میں مَیں ظاہر ہُوا ہوں کہ جب کہ اسلامی عقیدے اختلافات سے بھر گئے تھے۔ اور کوئی عقیدہ اختلاف سے خالی نہ تھا۔ ایسا ہی مسیحؑ کے نزول کے بارے میں نہایت غلط خیال پھیل گئے تھے اور اس عقیدے میں بھی اختلاف کا یہ حال تھا کہ کوئی حضرت عیسٰی کی حیات کا قائل تھا اور کوئی مَوت کا۔ اور کوئی جسمانی نزول مانتا تھا اور کوئی بروزی نزول کا معتقد تھا۔ اور کوئی دمشق میں اُنکو اُتار رہا تھا اور کوئی مکہ میں۔ اور کوئی بیت المقدس میں اور کوئی اسلامی لشکر میں اور کوئی خیال کرتا تھا کہ ہندوستان میں اُتریں گے۔ پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حَکَم کو چاہتے تھے۔ سو وہ حَکَم مَیں ہوں۔ مَیں رُوحانی طور پر کسرِ صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دُور کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ اِن ہی دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ مَیں بھیجا جاؤں میرے لئے ضروری نہیں تھا کہ مَیں اپنی حقیّت کی کوئی اور دلیل پیش کروں کیونکہ ضرورت خود دلیل ہے۔ لیکن پھر بھی میری تائید میں خدا تعالیٰ نے کئی نشان ظاہر کئے ہیں۔ اور مَیں جیسا کہ اور اختلافات میں فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم ہوں۔ ایسا ہی وفات حیات کے جھگڑے میں بھی حَکَم ہوں۔

اور مَیں امام مالکؒ اور ابن حزمؒ اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہلسنّت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں۔ سو مَیں بحیثیت حَکَم ہونے کے ان جھگڑا کرنیوالوں میں یہ حکم صادر کرتا ہوں کہ نزول کے اجمالی معنوں میں یہ گروہ اہلسنّت کا سچا ہے کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا۔ ہاں نزول کی کیفیت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ نزول صفت بروزی تھا نہ کہ حقیقی۔ اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہمکلام اُن کے سچے ہیں کیونکہ بموجب نصّ صریح آیت کریمہ یعنی آیت فلمّا توفّیتنی کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پانا ضروری تھا۔ یہ میری طرف سے بطور حَکَم کے فیصلہ ہے۔ اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اُس کو قبول نہیں کرتا جس نے مجھے حَکَم مقرر فرمایا ہے۔ اگر یہ سوال پیش ہو کہ تمہارے حَکَم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جس زمانہ کیلئے حَکَم آنا چاہیئے تھا وہ زمانہ موجود ہے۔ اور جس قوم کی صلیبی غلطیوں کی حَکَم نے اصلاح کرنی تھی وہ قوم موجود ہے۔ اور جن نشانوں نے اس حَکَم پر گواہی دینی تھی وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں۔ اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ پہلے نشانوں پر ہی ایمان لاؤ۔ بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ اگر مَیں حَکَم نہیں ہوں تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں اور سب بحثیں نکمّی ہیں۔ صرف حَکَم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے جسکو مَیں پُورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں۔

(۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظلّ پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ

جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۳) میں کثرتِ قبولیتِ دُعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور اُنکا میرے پاس ثبوت ہے۔

(۴) مَیں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ خدا تعالےٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کی طرح پُوری ہوئیں ؎

آسماں بارد نشان الوقت مے گوید زمیں ✦ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

مدت ہوئی کسوف خسوف رمضان میں ہو گیا۔ حج بھی بند ہوا۔ اور بموجب حدیث کے طاعون بھی ملک میں پھیلی اور بہت سے نشان مجھ سے ظاہر ہوئے جسکے صدہا ہندو اور مسلمان گواہ ہیں جن کو مَیں نے ذکر نہیں کیا۔ ان تمام وجوہ سے مَیں امام الزمان ہوں اور خدا میری تائید میں ہے۔ اور وہ میرے لئے ایک تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائیگا۔ دیکھو میں نے وہ حکم پہنچا دیا جو میرے ذمہ تھا۔ اور یہ باتیں مَیں اپنی کتابوں میں کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں مگر جس واقعہ نے مجھے ان اُمور کے مکرر لکھنے کی تحریک کی وہ میرے ایک دوست کی اجتہادی غلطی ہے جسپر اطلاع پانے سے مَیں نے ایک نہایت دردناک دل کیساتھ اس رسالہ کو لکھا ہے۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ ان دنوں میں یعنی ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء میں جو مطابق جمادی الاوّل ۱۳۱۶ھ ہے۔ ایک میرے دوست جن کو مَیں ایک نیک بشر انسان اور نیک بخت اور متقی اور پرہیزگار جانتا ہوں اور انکی نسبت ابتدا سے میرا بہت نیک گمان ہے وَاللہ حسیبہ۔ مگر بعض خیالات میں غلطی میں پڑا ہوا سمجھتا ہوں۔ اور اس غلطی کے ضرر سے انکی نسبت اندیشہ بھی رکھتا ہوں وہ تکالیف سفر اُٹھا کر اور ایک اور میرے عزیز دوست کو ہمراہ لیکر قادیان میں میرے پاس پہنچے اور بہت سے الہامات اپنے مجھ کو سُنائے پس اس سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی۔ کہ خدا تعالیٰ نے انکو الہامات کا شرف بخشا ہے۔ مگر انہوں نے سلسلہ الہامات میں ایک یہ خواب بھی اپنی مجھے سنائی کہ میں نے

ص۲۷

آپ کی نسبت کہا ہے کہ میں انکی کیوں بیعت کروں بلکہ انہیں میری بیعت کرنی چاہیئے۔ اس خواب سے معلوم ہوا کہ وہ مجھے مسیح موعود نہیں مانتے۔ اور نیز یہ کہ وہ مسئلہ امامتِ حقّہ سے بے خبر ہیں۔ لہذا میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ تا میں ان کیلئے امامتِ حقّہ کے بیان میں یہ رسالہ لکھوں اور بیعت کی حقیقت تحریر کروں۔ سو میں امام حق کے بارے میں جس کو بیعت لینے کا حق ہے۔ اس رسالے میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ رہی حقیقت بیعت کی۔ سو وہ یہ ہے کہ بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے۔ اور بیع اس باہمی رضامندی کے معاملہ کو کہتے ہیں جسمیں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے۔ سو بیعت سے غرض یہ ہے کہ بیعت کرنیوالا اپنے نفس کو مع اسکے تمام لوازم کے ایک رہبر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے کہ تا اسکے عوض میں وہ معارف حقہ اور برکات کاملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالےٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں۔ کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے رہبر کی غلامی میں دیکر وہ علوم اور معارف اور برکات اسکے عوض میں لیوے۔ جن سے ایمان قوی ہو اور معرفت بڑھے۔ اور خدا تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا ہو۔ اور اسی طرح دنیوی جہنم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے مخلصی نصیب ہو اور دنیوی نابینائی سے شفا پا کر آخرت کی نابینائی سے بھی امن حاصل ہو۔ سو اگر اس بیعت کے ثمرہ دینے کا کوئی مرد ہو تو سخت بدذاتی ہوگی کہ کوئی سخت دانستہ اس سے اعراض کرے۔ عزیز من! ہم تو معارف اور حقائق اور آسمانی برکات کے بھوکے اور پیاسے ہیں اور ایک سمندر بھی پی کر سیر نہیں ہو سکتے۔ پس اگر ہمیں کوئی اپنی غلامی میں لینا چاہے تو یہ بہت سہل طریق ہے کہ بیعت کے مفہوم اور اُس کی اصل فلاسفی کو ذہن میں رکھ کر یہ خرید و فروخت ہم سے کر لے۔ اور اگر اسکے پاس ایسے حقائق اور معارف اور آسمانی برکات ہوں جو ہمیں نہیں دیئے گئے۔ اور یا اسپر وہ قرآنی علوم کھولے گئے ہوں جو ہمپر نہیں کھولے گئے۔ تو بسم اللہ وہ بزرگ ہماری غلامی اور اطاعت کا ہاتھ لیوے۔ اور وہ روحانی معارف اور قرآنی حقائق اور آسمانی برکات ہمیں عطا کرے۔ میں تو زیادہ تکلیف دینا ہی

نہیں چاہتا۔ ہمارے ملہم دوست کسی ایک جلسہ میں سورۂ اخلاص کے ہی حقائق معارف بیان فرماویں جس سے ہزار درجہ بڑھ کر ہم بیان نہ کر سکیں۔ تو ہم اُن کے مطیع ہیں۔ ؎

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ✤ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

بہرحال اگر آپ کے پاس وہ حقائق اور معارف اور برکات ہیں جو معجزانہ اثر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ تو پھر میں کیا میری تمام جماعت آپکی بیعت کریگی۔ اور کوئی سخت بدذات ہوگا کہ جو ایسا نہ کرے۔ مگر مَیں کیا کہوں اور کیا لکھوں معافی مانگ کر کہتا ہوں کہ جسوقت مَیں نے آپکے الہامات لکھے ہوئے سُنے تھے اُن میں بھی بعض جگہ صرفی اور نحوی غلطیاں تھیں۔ آپ ناراض نہ ہوں مَیں نے محض نیک نیتی سے اور غربت سے دینی نصیحت کے طور پر یہ بھی بیان کر دیا ہے۔ باایں ہمہ میرے نزدیک اگر الہامات کسی ناواقف اور ناخواندہ کے الہامی فقروں میں نحوی صرفی غلطی ہو جائے تو نفسِ الہام قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے اور بڑے بسط کو چاہتا ہے جس کا یہ محل نہیں ہے۔ اگر ایسی غلطیاں سُنکر کوئی خشک مُلّا جوش میں آجائے تو وہ بھی معذور ہے۔ کیونکہ رُوحانی فلاسفی کے کوچہ میں اسکو دخل نہیں۔ لیکن یہ ادنیٰ درجکا الہام کہلاتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے نُور کی پُوری تجلّی سے رنگ پذیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ الہام تین طبقوں کا ہوتا ہے۔ ادنیٰ اور اوسط اور اعلیٰ۔ بہرحال ان غلطیوں سے مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ اور مَیں اپنے دِل میں دُعا کرتا تھا کہ میرے معزز دوست کسی شریر خشک مُلّا کو یہ الہامات جو بظاہر قابلِ اعتراض ہیں نہ سُناویں کہ وہ خواہ نخواہ ٹھٹھا اور ہنسی کریگا۔ جو الہام حقائق معارف سے خالی اور غلطیوں سے بھی پُر ہو کسی موافق یا مخالف کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ خاصکر اس زمانہ میں۔ بلکہ بجائے فائدہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ مَیں ایمان سے اور سچائی سے حلفاً کہتا ہوں کہ یہ بات سراسر سچ ہے۔ میرے عزیز دوست توجّہ ✤ الی اللہ کی طرف زیادہ ترقی کریں کہ جیسے جیسے دِل کی صفائی بڑھے گی۔ ایسا ہی الہام میں فصاحت کی

✤ میرا یقین ہے کہ اگر یہ معزز دوست زیادہ توجّہ فرمائیں گے۔ تو جلد تر ان کے الہامات میں ایک کامل رنگ پیدا ہو جائے گا۔ منہ

صفائی بڑھے گی۔ یہی بھید ہے کہ قرآن کی وحی دوسرے تمام نبیوں کی وحیوں سے علاوہ معارف کے فصاحت بلاغت میں بھی بڑھکر ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ دل کی صفائی دی گئی تھی۔ سو وہ وحی معنوں کے رُو سے معارف کے رنگ میں اور الفاظ کے رُو سے بلاغت فصاحت کے رنگ میں ظاہر ہوئی۔ میرے دوست یہ بھی یاد رکھیں کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بیعت ایک خرید و فروخت کا معاملہ ہے۔ اور مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ جسقدر ہمارے دوست فاضل مولوی عبد الکریم صاحب وعظ کے وقت قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرتے ہیں۔ مجھے ہرگز امید نہیں کہ انکا ہزارم حصہ بھی میرے عزیز دوست کے مُنہ سے نکل سکے۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ الہامی طریق ابھی ناقص اور کسبی طریق بکلّی متروک۔ نہ معلوم کسی محقق سے قرآن سننے کا بھی اب تک موقعہ ہوا یا نہیں✽۔ آپ برائے خدا ناراض نہ ہوں۔ آپ نے ابتک بیعت کی حقیقت نہیں سمجھی کہ اسمیں کیا دیتے اور کیا لیتے ہیں۔ ہماری جماعت میں اور میرے بیعت کردہ بندگانِ خُدا میں ایک مرد ہیں جو جلیل الشان فاضل ہیں اور وہ مولوی حکیم حافظ حاجی حرمین نور الدین صاحب ہیں جو گویا تمام جہان کی تفسیریں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی انکے دل میں ہزارہا قرآنی معارف کا ذخیرہ ہے۔ اگر آپکو فی الحقیقت بیعت لینے کی فضیلت دی گئی ہے۔ تو ایک قرآن کا سیپارہ ان ہی کو مع حقائق معارف کے پڑھادیں۔ یہ لوگ دیوانے تو نہیں کہ انہوں نے مجھ سے بھی بیعت کرلی اور دُوسرے ملہموں کو چھوڑ دیا۔ اگر آپ حضرت مولوی صاحب موصوف کی پیری کرتے تو آپ کیلئے بہتر ہوتا۔ آپ سوچیں کہ فاضل موصوف جو خانماں چھوڑ کر میرے پاس آ بیٹھے۔

نوٹ ✽ ہم انکار نہیں کرتے کہ آپ پر لدنّی علم کے چشمے کُھل جائیں۔ مگر ابھی تو نہیں۔ خوابوں اور کشفوں پر استعارات اور مجازات غالب ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے اپنے خواب کو حقیقت پر حمل کرلیا۔ مجدّد صاحب سرہندی نے ایک کشف میں دیکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طفیل خلیل اللہ کا مرتبہ ملا اور اس سے بڑھکر شاہ ولی اللہ صاحب نے دیکھا تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہاتھ پر بیعت کی ہے مگر انہوں نے بباعث بسطت علم کے وہ خیال نہ کیا۔ جو آپ نے کیا۔ بلکہ تاویل کی۔ منہ

اور کچے کوٹھوں میں تکلیف سے بسر کرتے ہیں۔ کیا وہ بغیر کسی بات کے دیکھنے کے دانستہ اِس تکلیف کو گوارا کئے ہوئے ہیں؟ ہمارے عزیز اور دوست ملہم صاحب یاد رکھیں کہ وہ ان خیالات میں سخت درجہ کی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ اپنی الہامی طاقت سے پہلے مولوی صاحب موصوف کو قرآن دانی کا نمونہ دکھلا دیں۔ اور اس خارق عادت کی چمکار سے نور دین جیسے عاشق قرآن سے بیعت لیں۔ تو پھر میں اور میری تمام جماعت آپ پر قربان ہے۔ کیا چند نا شناختہ الہامی فقروں کے ساتھ کہ وہ بھی اکثر صحیح نہیں۔ یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے تئیں امام الزمان خیال کر لے۔ عزیز من امام الزمان کے لئے بہت سی شرائط ہیں تبھی تو وہ ایک جہان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مُو اینجاست ❊ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

میرے عزیز ملہم اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ فقرات الہامی اکثر اُن پر وارد ہوتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میری جماعت میں اس قسم کے ملہم اسقدر ہیں کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بنتی ہے۔ سیّد امیر علی شاہ ہر ایک ہفتہ کے بعد الہامات کا ایک ورق بھیجتے ہیں۔ اور بعض عورتیں میری مصدّق ہیں جنہوں نے ایک حرف عربی کا نہیں پڑھا اور عربی میں الہام ہوتا ہے۔ مَیں نہایت تعجب میں ہوں کہ آپکی نسبت اسکے الہامات میں غلطی کم ہوتی ہے ۲۸ ستمبر ۱۸۹۸ء کو انکے چند الہامات مجھ کو بذریعہ خط اُنکے برادر حقیقی فتح محمد بزدار کے ملے۔ ایسا ہی کئی ملہم ہماری جماعت میں موجود ہیں۔ ایک لاہور میں ہی تشریف رکھتے ہیں۔ مگر کیا ایسے الہامات سے کوئی شخص امام الزمان کی بیعت سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ اور مجھے تو کسی کی بیعت سے عذر نہیں۔ مگر بیعت سے غرض افاضہ علوم رُوحانیہ اور تقویت ایمان ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ بیعت میں کونسے علوم سکھلائینگے۔ اور کونسے قرآنی حقائق بیان فرمائینگے۔ آپ آئیے اور امامت کا جوہر دکھلائیے ہم سب بیعت کرتے ہیں ؎ حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ ❊ پر کوئی مجھ کو تو سمجھائے کہ سمجھائینگے کیا

میں نقارہ کی آواز سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ سب بطور نشان امامت ہے جو شخص اس نشانِ امامت کو دکھلائے اور ثابت کرے کہ وہ فضائل میں مجھ سے بڑھ کر ہے۔ مَیں اُسکو

ص۳۰

دستِ بیعت دینے کو طیار ہوں۔ مگر خدا کے وعدوں میں تبدیل نہیں۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا آج سے قریباً بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے:۔ ۲۱

الرحمٰن علم القرآن۔ لتنذر قومًا ما انذر اٰباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انّی امرت وانا اوّل المؤمنین ؕ

اس الہام کے رُو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اوّل المؤمنین رکھا۔ اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے۔ اور مجھے بار بار الہام دیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الٰہی اور کوئی محبت الٰہی تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں۔ جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا۔ اور اب حجۃ اللہ کے نیچے ہے۔ اے عزیز کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر لیاقت کے نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک انگریز حاکم کے پاس ایک خاندانی شخص پیش کیا گیا کہ اسکو تحصیلدار بنا دیا جائے۔ اور جسکو پیش کیا وہ محض جاہل تھا۔ اُردو بھی نہیں آتی تھی۔ اُس انگریز نے کہا کہ اگر میں اسکو تحصیلدار بنا دوں تو اسکی جگہ مقدمات کون فیصلہ کریگا۔ میں اسکو بجز پانچ روپیہ کے مذکوری کے اور کوئی نوکری دے نہیں سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ بھی فرماتا ہے:۔ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ[1]۔

کیا جس کے پاس ہزاروں دشمن دوست سوالات اور اعتراضات لے کر آتے ہیں اور نیابت نبوت اس کے سپرد ہوتی ہے۔ اس کی یہی شان چاہیئے کہ صرف چند الہامی فقرے اسکی بغل میں ہوں اور وہ بھی بے ثبوت۔ کیا قوم اور مخالف قوم اس سے تسلی پکڑ سکتے ہیں۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر اسمیں کوئی گراں لفظ ہو تو ہر ایک صاحب اور نیز اپنے دوست ملہم صاحب سے معافی مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں نے سراسر نیک نیتی سے چند سطریں لکھی ہیں۔ اور میں اس عزیز دوست سے بدل وجان محبت رکھتا ہوں۔ اور دُعا کرتا ہوں۔ کہ خدا اُن کے ساتھ ہو۔ فقط

خاکسار میرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

[1] الانعام: ۱۲۵

مولوی عبدالکریم صاحب کا خط ایک دوست کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ۔

امابعد

من عبدالکریم الی اخی وحبی نصر اللہ خان سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج میرے دل میں پھر تحریک ہوئی ہے کہ کچھ درد دل کی کہانی آپکو سناؤں ممکن ہے کہ آپ بھی میرے ہمدرد بنجائیں۔ اتنی مدت کے بعد یہ تحریک خالی از مصالح نہ ہوگی۔ محرک قلوب اپنے بندوں کو عبث کام کی ترغیب نہیں دیا کرتا۔

چوہدری صاحب! مَیں بھی ابن آدم ہوں۔ ضعیف عورت کے پیٹ سے نکلا ہوں ضرور ہے انسانی کمزوری۔ تعلقات کی کششیں اور رقت مجھ میں بھی ہو۔ بطن عورت سے نکلا ہوا اگر ادنیٰ عوارض ایسے چمٹ نہ جائیں تو سنگدل نہیں ہوسکتا۔ میری ماں بڑی رقیق قلب والی بڑھیا دائم المرض موجود ہے۔ میرا باپ بھی ہے (اللّٰھم عافہ ووالہ ووفقہ للحسنیٰ) میرے عزیز اور نہایت ہی عزیز بھائی بھی ہیں اور تعلقات بھی ہیں تو پھر کیا میں پتھر کا کلیجہ رکھتا ہوں جو مہینوں گذر گئے یہاں دھونی رمائے بیٹھا ہوں یا کیا مَیں سودائی ہوں اور میرے حواس میں خلل ہے۔ یا کیا مَیں مقلد کور باطن اور علوم حقہ سے نابلد محض ہوں یا کیا مَیں فاسقانہ زندگی بسر کرنے میں اپنے کنبہ اور محلہ اور اپنے شہر میں مشہور ہوں۔ یا کیا مَیں مفلس نادار پیٹ کی غرض سے نت نئے بہروپ بدلنے والا قلاش ہوں۔ یعلم اللہ والملائکۃ یشھدون۔ کہ مَیں بحمد اللہ ان سب معائب سے بری ہوں۔ ولا ازکی نفسی ولکن اللہ یزکی من یشاء۔

تو پھر کس بات نے مجھ میں ایسی استقامت پیدا کر رکھی ہے۔ جو ان سب تعلقات پر غالب آگئی ہے۔ بہت صاف بات اور ایک ہی لفظ میں ختم ہوجاتی ہے اور وہ ہے امام زمان کی شناخت۔ اللہ اللہ یہ

؎ اس خط پر اتفاقاً میری نظر پڑی جس کو اخویم مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنے ایک دوست کی طرف لکھا تھا سو میں نے ایک مناسبت کی وجہ سے جو اِس رسالہ کے مضمون سے اس کو ہے چھاپ دیا۔ منہ

کیا بات ہے جسمیں ایسی زبردست قدرت ہے جو سارے ہی سلسلوں کو توڑ تاڑ دیتی ہو۔ آپ خوب جانتے ہیں میں بقدر استطاعت کے کتاب اللہ کے معارف و اسرار سے بہرہ مند ہوں اور اپنے گھر میں کتاب اللہ کے پڑھنے اور پڑھانے کے سوا مجھے اور کوئی شغل نہیں ہوتا۔ پھر میں یہاں کیا سیکھتا ہوں۔ کیا وہ گھر میں پڑھنا اور ایک معتدبہ جماعت میں مشار الیہ اور مطمح الانظار بننا میری رُوح یا میرے نفس کے بہلانے کو کافی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ واللہ ثم تااللہ ہرگز نہیں۔ میں قرآن کریم پڑھتا لوگوں کو سُناتا۔ جمعہ میں ممبر پر کھڑا ہو کر بڑے پُراثر اخلاقی وعظیں کرتا اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا اور نواہی سے بچنے کی تاکیدیں کرتا مگر میرا نفس ہمیشہ مجھے اندر اندر ملامتیں کرتا کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[1]۔ میں دُوسروں کو رولاتا پر خود نہ روتا۔ اوروں کو ناکردنی اور ناگفتنی اُمور سے ہٹاتا پر خود نہ ہٹتا۔ چونکہ معتمد ریاکار اور خودغرض مکار نہ تھا۔ اور حقیقۃً حصول جاہ و دُنیا میرا قبلہ ہمت نہ تھا میرے دل میں جب ذرا تنہا ہوتا ہجوم کر کے یہ خیالات آتے مگر چونکہ اپنی اصلاح کے لئے کوئی راہ و روئے نظر نہ آتا اور ایمان ایسے جھوٹے خشک عملوں پر قانع ہونے کی اجازت بھی نہ دیتا۔ آخر ان کشاکشوں سے ضعف دل کے سخت مرض میں گرفتار ہو گیا۔ بارہا مصمم ارادہ کیا کہ پڑھنا پڑھانا اور وعظ کرنا قطعاً چھوڑ دوں۔ پھر لپک لپک کر اخلاق کی کتابوں۔ تصوّف کی کتابوں۔ اور تفاسیر کو پڑھتا۔ احیاء العلوم اور عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ ہر چہار جلد اور اور کثیر کتابیں اسی غرض سے پڑھیں اور بتوجہ پڑھیں اور قرآن کریم تو میری رُوح کی غذا تھی اور بحمد اللہ ہے۔ بچپن سے اور بالکل بے شعوری کے سن سے اس پاک بزرگ کتاب سے مجھے اس قدر اُنس ہو کہ میں اس کا کم وکیف بیان نہیں کرسکتا۔ غرض علم تو بڑھ گیا اور مجلس کے خوش کرنے اور وعظ کو سجانے کے لئے لطائف و ظرائف بھی بہت حاصل ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا کہ بہت سے بیمار میرے ہاتھوں سے چنگے بھی ہو گئے۔ مگر مجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوتی تھی۔ آخر بڑے حیص بیص کے بعد مجھ پر کھولا گیا کہ زندہ نمونہ یا اس زندگی کے چشمہ پر پہنچنے کے سوا جو اندرونی آلائشوں کو دھو سکتا ہو یہ میل اُترنے والی نہیں۔ ہادیٔ کامل خاتم الانبیاء صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے کس طرح صحابہ کو منازلِ سلوک ۲۳ برس میں طے کرائیں۔ قرآن علم تھا اور آپ اس کا سچا عملی نمونہ تھے۔ قرآن کے احکام کی

[1] الصّف: ۳-۴

عظمت وجبروت کو مجرد الفاظ اور علمی رنگ نے فوق العادہ رنگ میں قلوب پر نہیں بٹھایا۔ بلکہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عملی نمونوں اور بے نظیر اخلاق اور دیگر تائیدات سماویہ کی رفاقت اور پیا پے ظہور نے ایسا لازوال سکہ آپ کے خدام کے دلوں پر جمایا۔ خدا تعالیٰ کو چونکہ اسلام بہت پیارا ہے اور اس کا ابدالدھر تک قائم رکھنا منظور ہے۔ اسلئے اس نے پسند نہیں کیا۔ کہ یہ مذہب بھی دیگر مذاہب عالم کی طرح قصوں اور فسانوں کے رنگ میں ہو کر تقویم پارینہ ہو جائے۔ اس پاک مذہب میں ہر زمانہ میں زندہ نمونے موجود رہے ہیں۔ جنہوں نے علمی اور عملی طور پر حامل قرآن علیہ صلوات الرحمٰن کا زمانہ لوگوں کو یاد دلایا۔ اسی سُنت کے موافق ہمارے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود ایدہ اللہ الودود کو ہم میں کھڑا کیا کہ زمانہ پر وہ ایک گواہ ہو جائے۔ مَیں نے جو کچھ اس خط میں لکھنا چاہا تھا حضرت اقدس امام صادق علیہ السلام کے وجود پاک کی ضرورت پر چند وجدانی دلائل تھے۔ اس اثنا میں بعض تحریکات کی وجہ سے خود حضرت اقدس نے "ضرورت امام" پر پرسوں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ ڈالا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ ناچار مَیں نے اس ارادے کو چھوڑ دیا۔

بالآخر مَیں اپنی نیکی سے بھری ہوئی صحبتوں کو آپکے باقاعدہ حُسنِ ارادت کے ساتھ درس کتاب اللہ میں حاضر ہونے کو آپکے اپنی نسبت کمال حُسنِ ظن کو اور ان سب پر آپکی نیک دل اور پاک تیاری کو آپکو یاد دلاتا اور آپکی ضمیر روشن اور فطرت مستقیمہ کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں کہ آپ سوچیں۔ وقت بہت نازک ہے۔ جس زندہ ایمان کو قرآن چاہتا ہے اور جیسی گناہ سوز آگ قرآن سینوں میں پیدا کرنی چاہتا ہے وہ کہاں ہے۔ مَیں خدائے رب عرش عظیم کی قسم کھا کر آپکو یقین دلاتا ہوں۔ وہی ایمان حضرت نائب الرسول مسیح موعود کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور اسکی پاک صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس کار خیر میں توقف کرنے سے مجھے خوف ہے کہ دل میں کوئی خوفناک تبدیلی پیدا نہ ہو جائے۔ دُنیا کا خوف چھوڑ دو اور خدا کیلئے سب کچھ کھو دو کہ یقیناً سب کچھ مل جائیگا۔ والسلام

۱۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء　　　　عاجز عبدالکریم از قادیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

انکم ٹیکس اور تازہ نشان

صدق را ہر دم مدد آید ز ربّ العٰلمین	صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں
ہر بلا کز آسماں بر صادقے آید فرود	آخرش گردد نشانے از برائے طالبین

۲۵

ہمارے بعض ناداں دشمن ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں اپنے ناکام رہنے سے بہت مغموم اور کوفتہ خاطر تھے۔ کیونکہ انکو ایک ایسے مقدمہ میں جس کا اثر اس راقم کی جان اور عزت پر تھا۔ باوجود بہت سی کوشش کے فاش شکست اٹھانی پڑی اور نہ صرف شکست بلکہ اس مقدمہ کی متعلق وہ الہامی پیشگوئی بھی پوری ہوئی جسکے دو سو سے زیادہ ثقہ اور معزز لوگوں کو خبر دی گئی تھی اور جس کو پبلک میں پیش از وقت بخوبی شائع کر دیا گیا تھا۔ مگر افسوس کہ ان مخالفوں کی بدظنّی اور شتابکاری سے ایک دوسری شکست بھی انکو نصیب ہوئی۔ اور وہ یہ کہ جب کہ ان دنوں میں سرسری طور پر بغیر کسی عدالت کی باضابطہ تحقیق کے اس راقم پر مبلغ ما ہر انکم ٹیکس مشخص ہو کر اس کا مطالبہ ہوا۔ تو یہ لوگ جن کے نام لکھنے کی حاجت نہیں (عقلمند خود ہی سمجھ جائینگے) اپنے دلوں میں بہت ہی خوش ہوئے اور یہ خیال کیا کہ اگر ہمارا پہلا نشانہ خطا گیا تھا۔ تو غنیمت ہے کہ اس مقدمہ میں اسکی تلافی ہوئی۔ لیکن کبھی ممکن نہیں کہ بداندیش اور نفسانی آدمی فتحیاب ہو سکیں۔ کیونکہ کوئی فتحیابی اپنے منصوبوں اور مکاریوں سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک ہے جو انسانوں کے دلوں کو دیکھتا اور ان کے اندرونی خیالات کو جانچتا اور ان کے نیات کے موافق آسمان پر سے حکم کرتا ہے۔ سو اس نے ان تیرہ خیالات لوگوں کی یہ مراد بھی پوری نہ ہونے دی۔ اور بعد تحقیقات کامل بتاریخ ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء انکم ٹیکس معاف کیا گیا۔ اس مقدمہ کے یک دفعہ پیدا ہو جانے میں

۲۶

ایک یہ بھی حکمت الٰہی مخفی تھی کہ تا خدا تعالےٰ کی تائید میری جان اور آبرو اور مال کے متعلق یعنی تینوں طرح سے اور تینوں پہلوؤں سے ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جان اور آبرو کے متعلق تو ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں نصرت الٰہی بپایۂ ثبوت پہنچ چکی تھی۔ مگر مال کے متعلق امر تائید ہنوز مخفی تھا۔ سو خدا تعالےٰ کے فضل اور عنایت نے ارادہ فرمایا کہ پبلک کو مال کے متعلق بھی اپنی تائید دکھلاوے۔ سو اس نے یہ تائید بھی ظاہر فرما کر تینوں قسم کی تائیدات کا دائرہ پورا کر دیا۔ سو یہی بھید ہے کہ یہ مقدمہ برپا کیا گیا۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر کلارک کا مقدمہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلئے برپا نہیں ہوا تھا کہ مجھ کو ہلاک یا ذلیل کیا جائے بلکہ اسلئے برپا ہوا تھا کہ اس قادر کریم کے نشان ظاہر ہوں۔ ایسا ہی اسمیں بھی ہوا۔ اور جس طرح میرے خدا نے جان اور عزت کے مقدمہ میں پہلے سے الہام کے ذریعہ سے یہ بشارت دی تھی کہ آخر میں بریت ہوگی۔ اور دشمن شرمسار ہونگے۔ ایسا ہی اس نے اس مقدمہ میں بھی پہلے سے خوشخبری دی کہ انجام کار ہماری فتح ہوگی۔ اور حاسد بدباطن ناکام رہیں گے چنانچہ وہ الہامی خوشخبری اخیر حکم کے نکلنے کے پہلے ہی ہماری جماعت میں خوب اشاعت پا چکی تھی۔ اور جیسا کہ ہماری جماعت نے جان اور آبرو کے مقدمہ میں ایک آسمانی نشان دیکھا تھا۔ اسمیں بھی انہوں نے ایک آسمانی نشان دیکھ لیا۔ جو اُنکے ایمان کی زیادت کا موجب ہوا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

مجھے بڑا تعجب ہے کہ باوجودیکہ نشان پر نشان ظاہر ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی مولویوں کو سچائی کے قبول کرنے کی طرف توجہ نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہر میدان میں خدا تعالیٰ انکو شکست دیتا ہے اور وہ بہت ہی چاہتے ہیں کہ کسی قسم کی تائید الٰہی اُن کی نسبت بھی ثابت ہو۔ مگر بجائے تائید کے دن بدن اُنکا خذلان اور اُنکا نامراد ہونا ثابت ہوتا جاتا ہے مثلاً جن دنوں میں جنتریوں کے ذریعہ سے یہ مشہور ہوا تھا کہ حال کے رمضان میں سورج اور چاند دونوں کو گرہن لگے گا۔ اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ امام موعود کے ظہور کا نشان ہے تو اسوقت مولویوں کے دلوں میں یہ دھڑکہ شروع ہوگیا تھا کہ مہدی اور مسیح ہونے کا مدعی تو یہی ایک شخص میدان میں کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف جھک جائیں۔ تب اس

ص ۳۷

نشان کے چھپانے کے لئے اوّل تو بعض نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس رمضان میں ہرگز کسوف خسوف نہیں ہوگا۔ بلکہ اُسوقت ہوگا کہ جب ان کے امام مہدی ظہور فرما ہونگے۔ اور جب رمضان میں خسوف کسوف ہو چکا۔ تو پھر یہ بہانہ پیش کیا کہ یہ کسوف خسوف حدیث کے لفظوں کے مطابق نہیں۔ کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ چاند کو گرہن اوّل رات میں لگے گا۔ اور سورج کو گرہن درمیان کی تاریخ میں لگے گا۔ حالانکہ اس کسوف خسوف میں چاند کو گرہن تیرھویں رات میں لگا۔ اور سورج کو گرہن اٹھائیس تاریخ کو لگا۔ اور جب انکو سمجھایا گیا۔ کہ حدیث میں مہینے کی پہلی تاریخ مراد نہیں۔ اور پہلی تاریخ کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے۔ اس کا نام تو ہلال ہے۔ اور حدیث میں قمر کا لفظ ہے نہ ہلال کا لفظ۔ سو حدیث کے معنے یہ ہیں کہ چاند کو اس پہلی رات میں گرہن لگے گا جو اسکے گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات ہے یعنی مہینہ کی تیرھویں رات۔ اور سُورج کو درمیان کے دن میں گرہن لگے گا۔ یعنی اٹھائیس تاریخ جو اس کی گرہن کی دنوں میں سے درمیانی دن ہے*۔

تب یہ نادان مولوی اس صحیح معنے کو سُنکر بہت شرمندہ ہوئے اور پھر بڑی جانکاہی سے یہ دوسرا عذر بنایا کہ حدیث کے رجال میں سے ایک راوی اچھا آدمی نہیں ہے۔ تب اُنکو کہا گیا کہ جب کہ حدیث کی پیشگوئی پوری ہو گئی تو وہ جرح جسکی بنا شک پر ہے۔ اس یقینی واقعہ کے مقابل پر جو حدیث کی صحت پر ایک قوی دلیل ہے کچھ چیز ہی نہیں۔ یعنی پیشگوئی کا پورا ہونا یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ صادق کا کلام ہے۔ اور اب یہ کہنا کہ وہ صادق نہیں بلکہ کاذب ہے۔ بدیہیات کے انکار کے حکم میں ہے اور ہمیشہ سے یہی اصول محدثین کا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ

* یہ قانون قدرت ہے کہ چاند گرہن کیلئے مہینہ کی تین رات مقرر ہیں یعنی تیرھویں[13] چودھویں[14] پندرھویں[15]۔ اور ہمیشہ چاند گرہن ان تین راتوں میں سے کسی ایک میں لگتا ہے۔ پس اس حساب سے چاند گرہن کی پہلی رات تیرھویں رات ہے جسکی طرف حدیث کا اشارہ ہے اور سُورج گرہن کے دن مہینہ کی ستائیسویں[27] اور اٹھائیسویں[28] اور انتیسویں تاریخ ہے پس اس حساب سے درمیانی دن سُورج گرہن کا اٹھائیسواں ہے۔ اور انہیں تاریخوں میں گرہن لگا۔ منہ

شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا۔ پیشگوئی کا اپنے مفہوم کے مطابق ایک مدعی مہدویت کے زمانہ میں پوری ہو جانا اس بات پر یقینی گواہی ہے کہ جس کے منہ سے یہ کلمات نکلے تھے اس نے سچ بولا ہے۔ لیکن یہ کہنا اُسکی چال چلن میں ہمیں کلام ہو۔ یہ ایک شکی امر ہے اور کبھی کاذب بھی سچ بولتا ہے۔ ماسوا اس کے یہ پیشگوئی اور طرق سے بھی ثابت ہو۔ اور حنفیوں کے بعض اکابر نے بھی اسکو لکھا ہو تو پھر انکار شرطِ انصاف نہیں ہو بلکہ سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ اور اس دندان شکن جواب کے بعد انہیں یہ کہنا پڑا کہ یہ حدیث تو صحیح ہے! ور اس سے یہی سمجھا جاتا ہو کہ عنقریب امام موعود ظاہر ہوگا۔ مگر یہ شخص امام موعود نہیں ہے بلکہ وہ اور ہوگا۔ جو بعد اس کے عنقریب ظاہر ہوگا۔ مگر یہ اُنکا جواب بھی بودا اور باطل ثابت ہوا۔ کیونکہ اگر کوئی اور امام ہوتا۔ تو جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہو وہ امام صدی کے سر پر آنا چاہیئے تھا۔ مگر صدی سے بھی پندرہ برس گذر گئے اور کوئی امام ان کا ظاہر نہ ہوا۔ اب ان لوگوں کی طرف سے آخری جواب یہ ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں انکی کتابیں مت دیکھو۔ ان سے ملاپ مت رکھو۔ انکی بات مت سنو کہ انکی باتیں دلوں میں اثر کرتی ہیں۔ لیکن کسقدر عبرت کی جگہ ہو کہ آسمان بھی اُن کے مخالف ہو گیا۔ اور زمین کی حالت موجودہ بھی مخالف ہوگئی۔ یہ کسقدر اُنکی ذلت ہے۔ کہ ایک طرف آسمان اُنکے مخالف گواہی دے رہا ہے۔ اور ایک طرف زمین صلیبی غلبہ کی وجہ سے گواہی دے رہی ہے۔ آسمان کی گواہی دار قطنی وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ یعنی رمضان میں خسوف کسوف اور زمین کی گواہی صلیبی غلبہ ہے جس کے غلبہ میں مسیح موعود کا آنا ضروری تھا۔ اور جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے۔ یہ دونوں شہادتیں ہماری مؤید اور اُنکی مکذّب ہیں۔ پھر لیکھرام کی موت کا جو نشان ظاہر ہوا اس نے بھی ان کو کچھ کم شرمندہ نہیں کیا۔ ایسا ہی مہوتسو جلسہ یعنی قوموں کا مذہبی جلسہ جس میں ہمارا مضمون بطور نشان غالب رہا تھا۔ کچھ کم ندامت کا موجب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ہمارا مضمون غالب رہا۔ بلکہ یہ واقعہ پیش از وقت الہام ہو کر بذریعہ اشتہارات شائع کر دیا گیا۔ کاش اگر

آتھم بھی زندہ رہتا۔ تو میاں محمد حسین بٹالوی اور اسکے ہمجنسوں کے ہاتھ میں جھوٹی تاویلوں کی کچھ گنجائش رہتی مگر آتھم بھی جلد مر کر اُن لوگوں کو برباد کر گیا۔ جبتک وہ چُپ رہا زندہ رہا اور پھر مُنہ کھولتے ہی الہامی شرط نے اُسکو لے لیا۔ خدا تعالیٰ نے الہامی شرط کے موافق اسکو عمر دی اور جبھی سے کہ اُس نے تکذیب شروع کی۔ اسی وقت سے عوارض شدیدہ نے اس کو ایسا پکڑ لیا کہ بہت جلد اسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن چونکہ یہ ذلت بعض نادان مولویوں کو محسوس نہیں ہوئی تھی اور شرطی پیشگوئی کو محض شرارت سے انہوں نے یُوں دیکھا کہ گویا اُس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی اور آتھم کی سراسیمگی اور زبان بند زندگی سے جو پیشگوئی کے ایام میں بدیہی طور پر رہی۔ انہوں نے دیانتداری سے کوئی نتیجہ نہ نکالا۔ اور جو آتھم قسم کیلئے بلایا گیا اور نالش کیلئے اُکسایا گیا۔ اور وہ انکار سے کانوں پر ہاتھ رکھتا رہا۔ ان تمام اُمور سے اُن کو ہدایت نہ ہوئی۔ اسلئے خدا نے جو اپنے نشانوں کو شُبہ میں چھوڑنا نہیں چاہتا لیکھرام کی پیشگوئی کو جسکے ساتھ کوئی شرط نہ تھی۔ اور جسمیں تاریخ اور دن اور صورت موت یعنی کس طریق سے مریگا۔ سب بیان کیا گیا تھا۔ اتمام حُجت کیلئے کمال صفائی سے پُورا کیا۔ مگر افسوس کہ سچائی کے مخالفوں نے اِس کُھلے کُھلے اللہ تعالیٰ کے نشان سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ ظاہر ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو لیکھرام کی پیشگوئی میرے ذلیل کرنے کیلئے بڑا عمدہ موقعہ تھا۔ کیونکہ اسکے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی۔ اور اسمیں صاف طور پر پیشگوئی کے ساتھ ہی مَیں نے اپنا اقرار لکھکر شائع کر دیا تھا کہ اگر یہ پیشگوئی جھُوٹی نکلی تو میں جھُوٹا ہوں اور ہر ایک سزا اور ذلت کا سزاوار ہوں۔ سو اگر میں جھُوٹا ہوتا تو ایسے موقعہ پر جب کہ قسمیں کھا کر یہ پیشگوئی جو کوئی شرط نہیں رکھتی تھی۔ شائع کی گئی تھی۔ ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ مجھ کو رُسوا کرتا۔ میرا اور میری جماعت کا نام و نشان مٹا دیتا۔ سو خدا نے ایسا نہ کیا بلکہ اس میں میری عزت ظاہر کی۔ اور جن لوگوں نے نادانی سے آتھم کے متعلق کی پیشگوئی کو نہیں سمجھا تھا۔ انکے دلوں میں بھی اس پیشگوئی سے روشنی ڈالی۔ کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں ہے کہ ایسی پیشگوئی میں جسکے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں تھی۔ اور جس کے خطا جانے سے میری تمام

۴۹

کشتی غرق ہوتی تھی۔ خدا نے کیوں میری تائید کی اور کیوں اسکو پوری کر کے صد ہا دلوں میں میری محبت ڈالدی۔ یہاں تک کہ بعض سخت دشمنوں نے روتے ہوئے آکر بیعت کی۔ اگر یہ پیشگوئی پوری نہ ہوتی۔ تو میاں بٹالوی صاحب خود سوچ لیں کہ کس شدّ و مد سے وہ اشاعۃ السُنّۃ میں تکذیب کے مضامین لکھتے اور کیا کچھ انکا دُنیا پر اثر ہوتا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ خدا نے ایسے موقعہ پر کیوں بٹالوی اور اسکے ہمخیال لوگوں کو شرمندہ اور ذلیل کیا۔ کیا قرآن میں نہیں ہے کہ خدا لکھ چکا ہے کہ وہ مومنوں کو غالب کرتا ہے۔ کیا اگر یہ پیشگوئی جو ایک ذرّہ بھی شرط اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی اور ایک بھاری مخالف کے حق میں تھی جو مجھپر دانت پیستا تھا۔ جھوٹی نکلتی تو کیا اس صاف فیصلہ کے بعد میرا کچھ باقی رہ جاتا۔ اور کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اس پیشگوئی کے جھوٹے نکلنے پر شیخ محمد حسین بٹالوی کو ہزار عید کی خوشی ہوتی۔ اور وہ طرح طرح کے ٹھٹھے اور ہنسی کا اپنے کلام کو رنگ دیکر رسالہ کو نکالتا اور کئی جلسے کرتا۔ لیکن اب پیشگوئی کے سچی نکلنے پر اُس نے کیا کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس نے خدا کے ایک عظیم الشان کام کو ایک ردّی چیز کی طرح پھینک دیا اور اپنے منحوس رسالہ میں یہ اشارہ کیا کہ لیکھرام کا یہی شخص قاتل ہے۔ سو میں کہتا ہوں کہ میں کسی انسانی حربہ کے ساتھ قاتل نہیں۔ ہاں آسمانی حربہ کے ساتھ یعنی دُعا کے ساتھ قاتل ہوں اور وہ بھی اسکے الحاح اور درخواست کے بعد میں نے نہیں چاہا کہ اسپر بددعا کروں مگر اُس نے آپ چاہا۔ سو میں اس کا اسی طرح کا قاتل ہوں جس طرح کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خسرو پرویز شاہ ایران کے قاتل تھے۔ غرض لیکھرام کا مقدمہ محمد حسین پر خدا تعالےٰ کی حجت پوری کر گیا اور ایسا ہی اُسکے اور بھائیوں پر۔ پھر بعد اسکے ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں خدا کا نشان ظاہر ہوا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو اخیر حکم سے پہلے صد ہا لوگوں میں پھیل چکی تھی۔ اس مقدمہ میں شیخ بٹالوی کو وہ ذلت پیش آئی۔ کہ اگر سعادت یاوری کرتی تو بلا توقف توبہ نصوح کرتا۔ اسپر خوب کھل گیا کہ خدا نے کس کی تائید کی۔ یاد رہے کہ کلارک کے مقدمہ میں محمد حسین نے عیسائیوں کے ساتھ شامل ہو کر میری تباہی کے

صفحہ۴۰

لئے ناخنوں تک زور لگایا تھا۔ اور میرے ذلیل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ آخر میرے خدا نے مجھے بری کیا اور عین کچہری میں کرسی مانگنے پر وہ ذلت اسکے نصیب ہوئی جس سے ایک شریف آدمی مارے ندامت کے مر سکتا ہے۔ یہ ایک صادق کی ذلت چاہنے کا نتیجہ ہے۔ کرسی کی درخواست پر اُسکو صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے جھڑکیاں دیں اور کہا کہ کرسی نہ کبھی تجھ کو ملی اور نہ تیرے باپ کو اور جھڑک کر پیچھے ہٹایا اور کہا کہ سیدھا کھڑا ہو جا۔ اور اسپر موت پر موت یہ ہوئی کہ ان جھڑکیوں کے وقت یہ عاجز صاحب ڈپٹی کمشنر کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جسکی ذلت دیکھنے کیلئے وہ آیا تھا۔ اور مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ اس واقعہ کو بار بار لکھوں۔ کچہری کے افسر موجود ہیں۔ انکا عملہ موجود ہے۔ اُن سے پوچھنے والے پوچھ لیں۔ ؎۱۴۱

اب سوال تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں وعدہ ہے کہ وہ مومنوں کی تائید کرتا ہے۔ انہیں عزت دیتا ہے۔ اور جھوٹوں اور دجالوں کو ذلیل کرتا ہے۔ اور پھر یہ اُلٹی ندی کیوں بہنے لگی کہ ہر ایک میدان میں محمد حسین کو ہی ذلت اور رسوائی اور بے عزتی نصیب ہوتی گئی۔ کیا خدا تعالیٰ کی اپنے پیاروں سے یہی عادت ہے۔ اب ٹیکس کے مقدمہ میں شیخ بٹالوی صاحب کی یہ خوشی تھی کہ کسی طرح ٹیکس لگ جائے تا اسی مضمون کو لمبا چوڑا کر کے اشاعۃ السنہ کو رونق دیں تا پہلی ذلتوں کی کسی قدر پردہ پوشی ہو سکے۔ سو اسمیں بھی وہ نامراد ہی رہا۔ اور صاف طور پر معافی کا حکم آگیا۔ خدا نے اس مقدمہ کو ایسے حکام کے ہاتھ میں دیا جنہوں نے سچائی اور ایمانداری سے عدالت کو پورا کرنا تھا۔ سو بدنصیب بداندیش اس حملہ میں بھی محروم ہی رہے۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے حکام بالانصاف پر اصل حقیقت کھولدی۔ اور اسجگہ ہمیں جناب مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپورہ کا شکر کرنا چاہیئے جن کے دل پر خدا تعالیٰ نے واقعی حقیقت منکشف کر دی۔ اسی وجہ سے ہم ابتدا سے انگریزی حکومت اور انگریزی حکام کے شکر گذار اور مدّاح اور ثنا خوان ہیں کہ وہ انصاف کو بہر حال مقدم رکھتے ہیں۔ کپتان ڈگلس صاحب سابق کمشنر نے ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ فوجداری میں اور مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب نے اس انکم ٹیکس کے مقدمہ میں ہمیں انگریزی

عدالت اور حق پسندی کے دو ایسے نمونے دیئے ہیں جن کو ہم مدت العمر میں کبھی بھول نہیں سکتے۔ کیونکہ کپتان ڈگلس صاحب کے سامنے وہ نازک مقدمہ آیا تھا جس کا فریق مستغیث ایک معزز عیسائی تھا۔ اور جسکی تائید میں گویا پنجاب کے تمام پادری تھے۔ لیکن صاحب موصوف نے اِس بات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی کہ یہ مقدمہ کس گروہ کی طرف سے ہے۔ اور پورے طور پر عدالت سے کام لیا اور مجھے بری کیا۔ اور جو مقدمہ اب مسٹر ٹی۔ ڈیکسن صاحب کے زیر تجویز آیا۔ یہ بھی نازک تھا۔ کیونکہ ٹیکس کی معافی میں سرکار کا نقصان ہے۔ سو صاحب مؤخرالذکر نے بھی سراسر معدلت اور انصاف پسندی اور محض عدل سے کام لیا۔ میری دانست میں اِس قسم کے حکّام گورنمنٹ کی رعایا پروری اور نیک نیتی اور اصولِ انصاف کے روشن نمونے ہیں۔ اور واقعی امر یہی تھا جس امر تک مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب کا روشن خیال پہنچ گیا۔ سو ہم شکر بھی کرتے ہیں اور دُعا بھی۔ اور اس جگہ محنت اور تفتیش منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار پرگنہ بٹالہ قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے انصاف اور احقاقِ حق مقصود رکھکر واقعاتِ صحیحہ کو آئینہ کی طرح حکّام بالادست کو دکھلا دیا۔ اور اس طرح پر ٹھیک ٹھیک اصلیت تک پہنچنے کیلئے اعلیٰ حکام کو مدد دی۔ اب وہ مقدمہ یعنی تحصیلدار صاحب کی رائے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا اخیر حکم ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

نقل رپورٹ منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور بمقدمہ عذرداری ٹیکس مشمولہ مثل اجلاسی مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

مرجوعہ ۲۷ رجون ۹۸ء فیصلہ ۱۷ ستمبر ۹۸ء۔ نمبر بستہ از محکمہ۔ نمبر مقدمہ ۵۵/۴۴

مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمدؐ ولد غلام مرتضیٰ ذات مغل

سکنہ قادیان۔ تحصیل بٹالہ۔ ضلع گورداسپور

بحضور جناب والا شان جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور

جناب عالی۔ مرزا غلام احمدؐ قادیانی پر اس سال ما محصل ۸ انکم ٹیکس تشخیص ہوا تھا۔ اِس سے

۳۱۴

پیشتر مرزا غلام احمدؐ پر کبھی ٹیکس تشخیص نہیں ہوا۔ چونکہ یہ ٹیکس نیا لگایا تھا۔ مرزا غلام احمدؐ نے اسپر عدالت حضور میں عذرداری دائر کی جو بنابر دریافت سپرد محکمہ ہذا ہوئی۔ پیشتر اسکے کہ انکم ٹیکس کے متعلق جسقدر تحقیقات کی گئی ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمدؐ قادیانی کا کچھ ذکر گوش گذار حضور کیا جاوے تاکہ معلوم ہو کہ عذردار کون ہے اور کس حیثیت کا آدمی ہے۔

مرزا غلام احمدؐ ایک پُرانے معزز خاندان مغل میں سے ہے جو موضع قادیان میں عرصہ سے سکونت پذیر ہے اس کا والد مرزا غلام مرتضیٰ ایک معزز زمیندار تھا اور موضع قادیان کا رئیس تھا۔ اس نے اپنی وفات پر ایک معقول جائداد چھوڑی۔ اسمیں سے کچھ جائداد تو مرزا غلام احمدؐ کے پاس اب بھی ہے اور کچھ مرزا سلطان احمد پسر مرزا غلام احمدؐ کے پاس ہے جو اُسکو مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی کے توسّل سے ملی ہے یہ جائداد اکثر زرعی مثلاً باغ، زمین اور تعلقہ داری چند دیہات ہے۔ اور چونکہ مرزا غلام مرتضیٰ ایک معزز رئیس آدمی تھا ممکن ہے اور میری رائے میں اغلب ہے کہ اس نے بہت سی نقدی اور زیورات بھی چھوڑے ہوں لیکن ایسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت قابل اطمینان شہادت نہیں گذری۔ مرزا غلام احمد ابتدائی ایام میں خود ملازمت کرتا رہا ہے۔ اور اس کا طریق عمل ہمیشہ سے ایسا رہا ہے کہ اس سے اُمید نہیں ہوسکتی کہ اس نے اپنی آمدنی یا اپنے والد کی جائداد نقدی و زیورات کو تباہ کیا ہو۔ جو جائداد غیر منقولہ اسکو باپ سے وراثتاً پہنچی ہے وہ تو اب بھی موجود ہے۔ لیکن جائداد غیر منقولہ کی نسبت شہادت کافی نہیں مل سکی۔ لیکن بہرحال مرزا غلام احمدؐ کے حالات کے لحاظ سے یہ طمانینت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اس نے تلف نہیں کی۔ کچھ مدت سے مرزا غلام احمدؐ نے ملازمت وغیرہ چھوڑ کر اپنے مذہب کی طرف رجوع کیا۔ اور اس امر کی ہمیشہ سے کوشش کرتا رہا کہ وہ ایک مذہبی سرگروہ مانا جاوے اُس نے چند مذہبی کتابیں شائع کیں۔ رسالہ جات لکھے اور اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ اشتہارات کیا۔ چنانچہ اس کل کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ عرصہ سے ایک متعدد اشخاص کا گروہ جن کی فہرست (بحروف انگریزی) منسلک ہذا ہے۔ اس کو اپنا سرگروہ ماننے لگ گیا۔ اور بطور ایک علیحدہ فرقہ کے قائم ہوگیا۔ اس فرقہ میں حسب فہرست منسلکہ ہذا (۳۱۸) آدمی ہیں۔ جنہیں

۴۳

بلاشبہ بعض اشخاص جن کی تعداد زیادہ نہیں معزز اور صاحب علم ہیں۔ مرزا غلام احمدؐ کا گروہ جب کچھ بڑھ نکلا۔ تو اس نے اپنی کتب "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" میں اپنے اغراض کے پورا کرنے کیلئے اپنے پیروؤں سے چندہ کی درخواست کی اور ان میں پانچ مدّات کا ذکر کیا جن کے لئے چندہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ مرزا غلام احمدؐ پر اسکے مُریدان کا اعتقاد ہوگیا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے چندہ بھیجنا شروع کیا اور اپنے خطوط میں بعض دفعہ تو تخصیص کردی کہ ان کا چندہ ان پانچ مدّوں میں سے فلاں مدّ پر لگایا جائے۔ اور بعض دفعہ مرزا غلام احمد کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جس مدّ میں وہ ضروری خیال کریں صرف کریں۔ چنانچہ حسب بیان مرزا غلام احمدؐ عذر دار اور بڑے شہادت گواہان چندہ کے روپیہ کا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ الغرض یہ گروہ اس وقت بطور ایک مذہبی سوسائٹی کے ہے جس کا سرگروہ مرزا غلام احمدؐ ہے۔ اور باقی سب پیروان ہیں۔ اور چندہ باہمی سے اپنے سوسائٹی کے اغراض کو بہ سلوک پورا کرتے ہیں۔ جن پانچ مدّات کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

اوّل مہمان خانہ۔ جس قدر لوگ مرزا غلام احمدؐ کے پاس قادیان میں آتے خواہ وہ مُرید ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ مذہبی تحقیقات کیلئے آئے ہوں انکو وہاں سے کھانا ملتا ہے اور حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمد اس مدّ کے چندہ میں سے مسافروں، یتیموں اور بیواؤں کی بھی امداد کی جاتی ہے۔

دوؔم مطبع۔ اس میں مذہبی کتابیں اور اشتہارات چھاپے جاتے ہیں اور بعض دفعہ لوگوں میں مفت تقسیم ہوتے ہیں۔

سوؔم مدرسہ۔ مرزا غلام احمدؐ کے مُریدوں کی طرف سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے لیکن اسکی ابھی ابتدائی حالت ہے اور اس کا اہتمام مولوی نورالدین کے سپرد ہے جو مرزا غلام احمدؐ کا ایک مُرید خاص ہے۔

چہاؔرم سالانہ اور دیگر جلسہ جات۔ اس گروہ کے سالانہ جلسے بھی ہوتے ہیں۔ اور ان جلسوں کے سرانجام دینے کے لئے چندہ فراہم کیا جاتا ہے۔

پنجم خط وکتابت۔ حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمدؐ اور شہادت گواہان اسمیں بہت سا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ مذہبی تحقیقات کے متعلق جسقدر خط وکتابت ہوتی ہے اس کیلئے مُریدوں سے چندہ لیا جاتا ہے۔ الغرض حسب بیان گواہان ان پانچ مدّوں میں چندہ کا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ان ذرائع سے مرزا غلام احمدؐ مع اپنے مُریدوں کے اپنے خیالاتِ مذہبی کی اشاعت کرتا ہے یہ سوسائٹی ایک مذہبی گروہ ہے اور چونکہ حضور کو اس گروہ کی نسبت پیشتر سے علم ہے۔ اس لئے اسی مختصر خاکہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور اب اصل درخواست عذرداری کے متعلق گذارش کی جاتی ہے۔

مرزا غلام احمدؐ پر امسال ۷۲۰۰ روپیہ اسکی سالانہ آمدنی قرار دیکر ما علیہ انکم ٹیکس قرار دیا گیا۔ اسکی عذرداری پر اسکا اپنا بیان خاص موضع قادیان میں جبکہ کمترین بتقریب دورہ اس طرف گیا لیا گیا۔ اور تیراں کس گواہان کی شہادت قلمبند کی گئی۔ مرزا غلام احمدؐ نے اپنے بیان حلفی میں لکھوایا کہ اسکو تعلقہ داری، زمین اور باغ کی آمدنی ہے۔ تعلقہ داری کی سالانہ تخمیناً ۱۸۰ کی۔ زمین کی تخمیناً تین سو روپیہ سالانہ کی اور باغ کی سالانہ تخمیناً دو سو تین سو روپیہ چار سو اور حد درجہ پانسو روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ اسکو کسی قسم کی اور آمدنی نہیں ہے۔ مرزا غلام احمدؐ نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکو تخمیناً پانچہزار دو سو روپیہ سالانہ مریدوں سے اس سال پہنچا ہے ورنہ اوسط سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپیہ کے ہوتی ہے وہ پانچ مدّوں میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا خرچ ہوتی ہے اور اسکی ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ خرچ اور آمدنی کا حساب باضابطہ کوئی نہیں ہے۔ صرف یادداشت سے تخمیناً لکھوایا ہے۔ مرزا غلام احمدؐ نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکی ذاتی آمدنی باغ، زمین اور تعلقہ داری کی اسکے خرچ کیلئے کافی ہے اور اسکو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ وہ مُریدوں کا روپیہ ذاتی خرچ میں لاوے۔ شہادت گواہان بھی مرزا غلام احمدؐ کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ مُریدان بطور خیرات پانچ مدّات مذکورہ بالا کے لئے روپیہ مرزا غلام احمدؐ کو بھیجتے ہیں۔ اور ان ہی مدّات میں خرچ ہوتا ہے۔ مرزا غلام احمدؐ کی اپنی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلقہ داری، زمین اور باغ کے اور نہیں ہے جو قابلِ ٹیکس ہو۔ گواہان میں سے چھ گواہ گو معتبر

ص۲۶

اشخاص ہیں لیکن مرزا صاحب کے مُرید ہیں اور اکثر مرزا غلام احمدؐ کے پاس رہتے ہیں۔ دیگر سات گواہ مختلف قسم کے دوکاندار ہیں۔ جن کو مرزا صاحب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بالعموم یہ سب گواہان مرزا غلام احمدؐ کے بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسکی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلّقہ داری، زمین اور باغ کے اور کسی قسم کی نہیں بتلاتے۔ مَیں نے موقعہ پر بھی خفیہ طور سے مرزا غلام احمدؐ کی ذاتی آمدنی کی نسبت بعض اشخاص سے دریافت کیا۔ لیکن اگرچہ بعض اشخاص سے معلوم ہُوا کہ مرزا غلام احمدؐ کی ذاتی آمدنی بہت ہے۔ اور یہ قابلِ ٹیکس ہے لیکن کہیں سے کوئی بیّن ثبوت مرزا صاحب کی آمدنی کا نہ مل سکا۔ زبانی تذکرات پائے گئے۔ کوئی شخص پُورا پُورا ثبوت نہ دے سکا۔ مَیں نے موضع قادیان میں مدرسہ اور مہمان خانہ کا بھی ملاحظہ کیا۔ مدرسہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے اور اکثر بعمارتِ خام بنا ہوا ہے۔ اور کچھ مُریدوں کیلئے بھی گھر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مہمانخانہ میں واقعی مہمان پائے گئے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جسقدر مُرید اس روز قادیان میں موجود تھے۔ انہوں نے مہمانخانہ سے کھانا کھایا۔

کمترین کی رائے ناقص میں اگر مرزا غلام احمدؐ کی ذاتی آمدنی صرف تعلّقہ داری اور باغ کی قرار دیجائے جیسا کہ شہادت سے عیاں ہُوا۔ اور جسقدر آمدنی مرزا صاحب کو مُریدوں سے ہوتی ہے اسکو خیرات کا روپیہ قرار دیا جائے جیسا کہ گواہان نے بالعموم بیان کیا۔ تو مرزا غلام احمدؐ پر موجودہ اِنکم ٹیکس بحال نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب کہ دُوسری طرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمدؐ ایک معزّز اور بھاری خاندان سے ہے اور اسکے آباؤ اجداد رئیس رہے ہیں اور انکی آمدنی معقول رہی ہے اور مرزا غلام احمدؐ خود ملازم رہا ہے اور آسُودہ حال رہا ہے تو ضرور گمان گذرتا ہے کہ مرزا غلام احمدؐ ایک، مالدار شخص ہے اور قابلِ ٹیکس ہے۔ مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اس نے اپنا باغ اپنی زوجہ کے پاس گرو رکھکر اس سے چار ہزار روپیہ کا زیور اور ایک ہزار روپیہ نقد وصول پایا ہے۔ تو جس شخص کی عورت اسقدر روپیہ دے سکتی ہو اُسکی نسبت گمان گذرتا ہے کہ وہ مالدار ہوگا۔ کمترین نے جسقدر تحقیقات کی ہے۔ وہ شامل مثل ہذا ہے۔ اور بہ تعمیل حکم حضور رپورٹ ہذا ارسال خدمت حضور ہے۔ المرقوم ۱۳؍ اگست ۱۸۹۸ء۔

۴۸

کمترین تاج الدین تحصیلدار بٹالہ مکرر آنکہ مختار وکیل مرزا غلام احمدؐ کو حضور کی عدالت میں حاضر ہونے کے لئے ۲۱ستمبر ۱۸۹۸ء کی تاریخ دی گئی ہے۔ تحریر بتاریخ صدر۔ دستخط حاکم

نقل حکم درمیانی بصیغہ عذرداری ٹیکس اجلاسی ڈی ڈیکسن صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر گورداسپور

مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمدؐ ولد غلام مرتضیٰ ذات مغل سکنہ موضع قادیان۔ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

آج یہ کاغذات پیش ہوکر رپورٹ تحصیلدار صاحب سماعت ہوئی۔ فی الحال یہ مثل زیر تجویز رہے۔ شیخ علی احمد وکیل اور مختار عذرداران حاضر ہیں۔ ان کو اطلاع دیا گیا۔

تحریر ۳ ۹/۹۸ دستخط حاکم

نقل ترجمہ حکم اخیر بصیغہ عذرداری ٹیکس اجلاسی مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور

ترجمہ حکم

یہ ٹیکس جدید تشخیص کی گئی ہے اور مرزا غلام احمدؐ کا دعویٰ ہے کہ تمام اس کی آمدنی اس کی ذاتی کاروبار پر خرچ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس فرقہ کے اخراجات پر صرف ہوتی ہے کہ جو اس نے قائم کیا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے پاس اور جائداد بھی ہے۔ لیکن اس نے تحصیلدار کے سامنے بیان کیا کہ وہ آمدنی بھی کہ جو از قسم آمدنی اراضی و زراعت کی ہے اور زیر دفعہ ۵ (ب) مستثنیٰ ہے مذہبی اخراجات میں جاتی ہے۔ ہمیں اس شخص کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لئے کوئی وجہ معلوم نہیں کرتے۔ اور ہم اسکی آمدنی کو جو از چندہ ہا ہے۔ وہ ۵۲۰/- روپیہ بیان کرتا ہے معاف کرتے ہیں۔ کیونکہ زیر دفعہ (۵) (ج) محض مذہبی اغراض کے لئے وہ صرف کی جاتی ہے۔ لہذا حکم ہوا۔ کہ بعد تعمیل ضابطہ کاغذات ہذا داخل دفتر کئے جاویں۔

تحریر ۱۷ ۹/۹۸

مقام ڈلہوزی ——— دستخط حاکم

اس جگہ ہم اصل انگریزی اخیر حکم کی نقل بھی معہ ترجمہ کر دیتے ہیں :-

In the Court of F.T. Dixon Esquire Collector of the District of Gurdaspur.

Income Tax objection case No. 46 of 1898.

Mirza Ghulam Ahmad son of Mirza Ghulam Murtaza, caste Mughal, resident of mauza Qadian Mughlan, Tahsil Batala, Distt. of Gurdaspur objector

ORDER

This tax is a newly imposed one and Mirza Ghulam Ahmad claims that all his income is applied not to his personal but to the expenses of sect he has founded. He admits that he has other property but he stated to the Tashildar that even the proceeds of that which is classed as land and the proceeds of agriculture and is exempt under 5 (b) go to his religious expenses. I see no reason to doubt the bona fides of this man, whose sect is well known, and I exempt his income from subscriptions which he states as 5200/- Under Sec 5 (c) as being solely employed in religious purposes.

17-9-1898

Sd T. Dixon
Collector

ترجمہ

بعدالت ٹی ڈیکسن صاحب بہادر کلکٹر۔ ضلع گورداسپور

مقدمہ ۴۶ بابت ۱۸۹۸ء عذرداری انکم ٹیکس

مرزا غلام احمدؐ صاحب ولد مرزا غلام مرتضٰے قوم مغل ساکن موضع قادیان مغلاں

تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور عذردار

حُکم

یہ ٹیکس اب کے ہی لگایا گیا ہے اور مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ

تمام آمدنی میری جماعت کے لئے خرچ ہوتی ہے۔ میرے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ وہ اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ میری اور بھی جائداد ہے۔ لیکن تحصیلدار صاحب کے سامنے انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس میری جائداد کی آمدنی بھی جو از قسم زمین ہے۔ اور پیداوار زراعت ہے اور زیر دفعہ ۵ (ب) انکم ٹیکس سے بری ہے۔ دینی مصارف میں ہی کام آتی ہے۔ اس شخص کے اظہار نیک نیتی میں مجھے شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جس کی جماعت کو ہر ایک جانتا ہے میں ان کی چندوں کی آمدنی کو جس کی تعداد وہ ۵۲۰۰ ہزار بیان کرتے ہیں اور جو محض دینی کاموں میں خرچ ہوتی ہے۔ زیر دفعہ ۵ (ای) انکم ٹیکس سے بری کرتا ہوں۔

دستخط ٹی ڈکسن صاحب بہادر کلکٹر
۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء